چندہ سالانہ
پانچ روپے

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

ایڈیٹر ــــ سید محمد الحسنی
معاون ــــ سعید الاعظمی ندوی

فی کاپی
(۲۵)
نئے پیسے

Phone 22948

TAMEER-E-HAYA[T]

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (IN[DIA])

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (عربی)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

[اِ]س کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے
[...]ت کا اسطرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنگئی
[...] دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا
[...] ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس
[...] ملک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

[قیمت حصہ] اول ۵۰/۔ ، حصہ دوم ۷۵/۔ حصہ سوم ۱/۰۵

القراءة الراشدة (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔ حصہ سوم

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن،
[...] کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا
[...] میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء
[...] وں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں
[...] یم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل
[نصا]ب کیا ہے۔

قیمت ۔

مختارات

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنیکے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھجن یوپی

نورانی تیل

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابو العرفان ندوی، قائمقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

سالانہ ۵ روپے — فی کاپی ۲۵ نئے پیسے

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ
منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے
ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہوسکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پرزور گذارش ہے کہ حسب ذیل مندرجہ عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے	200 - 00
معاونین سے	100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے	25 - 00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فریر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

از: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
- سوانح حیات ● صفات و کمالات ● تجدیدی و اصلاحی کارنامے ● تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،

ابتدائی ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!
قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور انکی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی حیات آفریں تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے ذکر کے ساتھ ساتھ عیسائیت، بہائیت، فتنہ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے!

جلد ۱۲ — نمبر ۲۳

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

سالانہ ۵/ روپے — ۲۵ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ اکتوبر ۱۹۶۴ء مطابق ۳ جمادی الآخر ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی صحافت اور اس کا مستقبل

محمد الحسنی

موجودہ تمدن میں (مشرق و مغرب کی تفریق کے بغیر) جن چیزوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے اور جن کو رائے عامہ کو متاثر کرنے، خیالات کے رخ کو موڑنے اور ذہن و فکر اور جذبات و احساسات کو صحیح یا غلط رخ پر ڈالنے کا بہت بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، ان میں ایک صحافت بھی ہے، موجودہ تمدن میں اب وہ کوئی شخصی یا انفرادی یا ذوقی کام نہیں ہے، بلکہ ایک خالص سیاسی اور تجارتی کام ہے جس پر کثیر سرمایہ صرف کیا جاتا ہے، بہت بڑی تعداد میں اہل صلاحیت اور اہل ہنر کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور مختلف شعبوں کے لئے مختلف النوع صلاحیت کے لوگ رکھے جاتے ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں مستند (AUTHORITY) ہوتے ہیں، یہ سب اس لئے کیا جاتا ہے کہ قارئین کا ہر طبقہ اس سے وابستہ ہو اور اس کو اس میں اپنی دلچسپی اور ذوق کی چیز نہ صرف مل سکے بلکہ بہتر سے بہتر شکل میں موجود ہو، افادیت اور دلچسپی کے اس اہم پہلو کے ساتھ زہر کی جو مقدار ضروری سمجھی جاتی ہے وہ اس میں شامل کر دی جاتی ہے۔ جس خیال اور نقطہ نظر (TREND) کی تبلیغ و اشاعت مطلوب ہوتی ہے وہ اس رشوت کے ساتھ بہت سہولت سے پڑھنے والوں کے دل و دماغ میں اُترنے لگتا ہے۔ ان کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے لاشعور میں کن رجحانات اور جذبات کی پرورش ہو رہی ہے اس کا اندازہ ان کو اس وقت ہوتا ہے جب یہ رجحانات و جذبات ان کے دل و دماغ کے ہر گوشہ میں جڑ پکڑ جاتے ہیں اور ان کی بیخ کنی آسان نہیں ہوتی، اس کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ان رجحانات کا اندازہ کرنے کے باوجود محض دلچسپی اور تنوع اور علمی قیمت کی بنا پر اس سے وابستہ رہتا ہے، اور آہستہ آہستہ اس میں بھی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی اور وہ اس کے سامنے سپر ڈال دیتا ہے۔

موجودہ دور کی صف اول کی صحافت میں ہمیں یہ بات بہت نمایاں نظر آئیگی اور ایسا معلوم ہوگا کہ سب نے ایک اصول کی حیثیت سے اُسے مان لیا ہے اور پوری سختی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہیں، یورپ میں قدرتی طور پر اس پر بہت زور دیا جاتا ہے اور وہاں کے بڑے اخباروں میں ہر موضوع کے لئے علیحدہ علیحدہ کالمنسٹ (COLUMNIST) مقرر ہیں جو اپنے موضوع پر (SPECIALIST) ہوتے ہیں۔

ہماری غیر اسلامی اردو صحافت نے بھی بعض بعض جگہ اور بعض مواقع پر اس بلندی کو چھو لیا ہے اور اپنے مخصوص نقطہ نظر کی تبلیغ یا بے حیائی کی اشاعت کے لئے ان پہلوؤں کی طرف توجہ دی ہے، پاکستان کی اردو صحافت میں اس کے بعض اچھے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک ہماری اسلامی صحافت کا تعلق ہے وہ اس میدان میں ابھی بہت پیچھے ہے، وہ ابھی تک شخصی اور انفرادی ہے، ادارہ اور جماعت سے متعلق ہونے کی شکل میں بھی اس کا دار و مدار ایک شخص یا چند اشخاص پر رہتا ہے جو اس کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان کو شاید صحافت کے کردار ROLE اور حصہ (CONTRIBUTION) کا پورا احساس بھی نہیں ہے، اور وہ اس کی طرف اس قدر توجہ دینا، اس پر اتنا سرمایہ صرف کرنا اور وسیع پیمانہ پر انتظامات کرنا بے ضرورت اور تجارتی و سیاسی دونوں لحاظ سے غیر منفعت بخش سودا سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات تنوع مضامین کو وہ اپنے دعوت و مقصد کے لئے انتشار اور کمزوری کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور صرف ایک رنگ و آہنگ اور ایک لہجہ پسند کرتے ہیں۔

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرز کی صحافت کے لئے ان کو بہت سی ناجائز چیزوں کو قبول، بہت سی ناگوار چیزوں کو گوارا اور بہت سی غلط اور مضر چیزوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اور وہ بنیادی مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جس پر وہ سب سے زیادہ زور دیتے رہے ہیں، اور جس کے لئے یہ ساری جد و جہد کی جا رہی ہے۔

لیکن یہ خیالات درحقیقت بہت سے غلط مفروضات مبنی ہیں اور موجودہ اسلامی صحافت کی محدودیت اور اس کی اشاعت وعمومیت کے نقدان میں دینی ذوق کی کمی اور تفریح پسندی اور لذت پرستی کی مقبولیت ورواج کے ساتھ غلط مفروضات کو بھی دخل ہے۔

درحقیقت ہم جتنا کرسکتے تھے یا جتنا ہمیں کرنا چاہیئے، ہم نے اتنا بھی نہیں کیا ہے! اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی اور اپنی ساری خصوصیات وامتیازات کو باقی رکھتے ہوئے بھی ہم اپنی صحافت کو کئی گنا زیادہ موثر اور طاقتور بنا سکتے ہیں، اور یہ ہماری دعوت کے حساب پر نہیں بلکہ عین ہماری دعوت کے حق میں ہوگا۔

خالص علمی نقطۂ نظر سے سوچئے تو صاف نظر آئے گا کہ عام معلومات اور علوم کو چھوڑ کر بھی جو نہ مشرقی ہیں نہ مغربی، تنہا اسلامی موضوعات پر کتنا اچھا مواد اور کتنا اچھا ذخیرہ یا مجموعہ قارئین کو فراہم کیا جا سکتا ہے۔ وہی پھول جو منتشر حالت میں اس قدر خوبصورت نہیں معلوم ہوتے یکجا ہو کر ایک حسین گلدستہ بن جاتے ہیں اور ابھی ہر صاحب ذوق کے لئے تسکین کا سامان ہوتا ہے۔ اگر ہم اس کا اہتمام کریں کہ ہماری صحافت میں اسلامیات کے ہر پہلو کے لئے ایک خاص حصہ ہو اور "علم نافع" کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں ان سب کی طرف اس میں پوری توجہ دی گئی ہو، اور حسن باطن کے ساتھ حسن ظاہر کا بھی خیال رکھا گیا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میدان میں ہم پیچھے رہیں۔

لیکن اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوگی۔

ایک اس ضرورت کا صحیح احساس اور اس کی طرف پوری توجہ۔

دوسرے اس کے لئے وسیع انتظامات اور فیاضی سے اس کے مصارف کی کفالت۔

جب تک صحافت کے ساتھ ہمارا رویہ یہ نہ ہوگا کہ وہ ہماری جد وجہد اور ہماری تحریک دعوت کا ایک اہم ترین محاذ ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور ہر لحاظ سے مکمل اور مسلح ہونا چاہیئے اس وقت تک ہم اس کے لئے اس پیمانہ پر منصوبہ بندی نہیں کرسکیں گے، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آج مصر وشام، پاکستان اور ہندوستان ہر جگہ غیر اسلامی اور غیر اخلاقی صحافت کا مکمل قبضہ ہے قوم سے رابطہ ان لوگوں کا باقی رہ گیا ہے جن کے متعلق قرآن مجید کے یہ الفاظ تھا:

ان الذین یحبون | جو لوگ چاہتے ہیں کہ
ان تشیع الفاحشۃ | ایمان والوں میں بےحیائی
فی الذین آمنوا | کا رواج ہو

مصر اور لبنان کے اخلاق سوز رسالے اور اخبار نہ صرف ان ہی ممالک میں بلکہ پوری عرب دنیا میں اور مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں بھی مقبول ہیں اور ان میں سے ایک ایک کی تعداد اشاعت اتنی ہے جو شاید کسی ملک کے سارے دینی رسالوں کی نہ ہوگی، یہی حال ہند وپاک کا ہے۔

بلاشبہ ان پرچوں کی مقبولیت میں ایک بہت بڑا دخل ان کی عریانیت اور ہنگامہ خیزی کو بھی ہے، لیکن تنہا یہی بات نہیں انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے، صحافت کو مختلف حیثیتوں سے موثر بنانے کی بھی کوشش کی ہے اور اس کے لئے وسیع انتظامات کئے ہیں۔ انھوں نے قارئین کے مختلف طبقوں اور مختلف اذواق کا بھی خیال رکھا ہے، اپنے اپنے موضوع پر معروف ومقبول لکھنے والوں کی خدمات حاصل کی ہیں، حسن ترتیب کے لئے دوسرے اہل ہنر اور اہل نظر رکھے گئے ہیں جن کا کام صرف ان چیزوں کو خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ پیش کرنا ہوتا ہے اور بس۔ کچھ اہل اختصاص ایسے ہوتے ہیں جن کا کام رسالہ کی مقبولیت وہردلعزیزی کے اسباب پر غور کرنا اور ایسے تمام طریقے اختیار کرنا ہوتا ہے جن سے پرچہ ہر حلقہ میں مقبول وباوقار سمجھا جائے، اور ہر گھر میں پڑھا جائے۔

ہم کو چاہیئے کہ ہم اسلامی صحافت کے لئے

خذ ما صفا ودع | جو پاکیزہ ہے اس کو لے لو اور
ما کدر | جو گندہ ہے اسے چھوڑ دو

کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے موجودہ صحافت کے بہتر اصولوں کو اپنائیں بلکہ خود اپنی عقل اور سمجھ سے اس کے لئے نئے راستوں پر غور کریں اور محض یہ فرض کرکے کہ اس زمانہ میں لوگوں کو دین سے دلچسپی ہی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اسلامی صحافت کے لئے کوئی میدان (SCOPE) اور کوئی مستقبل نہیں ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھ رہیں۔ ہمیں الحاد وبے دینی اور مادیت کے تیز دھاروں کو روکنا ہے اور اس کے لئے ہمیں بہت عالی ہمتی اور روشن ضمیری کے ساتھ کام کرنا ہوگا اور اس کے لئے وہ تمام ذرائع ووسائل استعمال کرنے ہوں گے جو اسلامی اصولوں اور اسلامی روح کے منافی نہ ہوں اور جن سے ہمارے مقصد کو نقصان نہ پہونچتا ہو، اس کے لئے جرأت اور بصیرت دونوں چیزوں کی ضرورت ہوگی۔

اسلامی صحافت کو اس تغیر پذیر عہد میں نئی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، اور یہ ملت کے اہل فکر اور اہل نظر کا کام ہے کہ وہ اس مسئلہ کو وہ اہمیت دیں جس کا وہ مستحق ہے اور اس کے لئے ان تمام راستوں پر غور کریں، جن سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

یورپ کا سفر

مرکز اسلامی جنیوا

ISLAMIC CENTRE
GENEVA

کی دعوت پر مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳۰ ستمبر ۶۴ء کو لکھنؤ سے بذریعہ ہوائی جہاز سوئٹزرلینڈ روانہ ہوگئے۔ مولانا کے ہمراہ مولانا محمد رابع صاحب ندوی ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی ہیں۔

اسلامک سنٹر جنیوا کی سالانہ کانفرنس اور مجلس شوریٰ کی میٹنگ میں شرکت کے بعد یہ دونوں حضرات جرمنی، فرانس، اسپین، انگلینڈ اور یورپ کے دوسرے ممالک کا دورہ کریں گے۔ جہاں تعلیم پانے والے مسلم طلبہ سے مولانا خطاب فرمائیں گے

مرکز اسلامی جنیوا اور اس کے بانی ڈاکٹر سعید رمضان کے تعارف پر مشتمل مضمون اسی شمارہ کے صفحہ ۸ اور ۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اقبال

مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب کا بڑے ذوق وشوق کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم بیعت کی دوبارہ تجدید کرو اور وہ نسبت جو مجھے پیر معنوی حضرت مولانا محمد یعقوب نور اللہ مضجعہ سے پہنچی ہے تمہیں عطا کردوں بندہ نے عرض کیا تعجیل کس واسطے فرمایا کہ اس ماہ مبارک کی اکیسویں شب کو جو شب قدر ہے اس کو لکھ کر دوں گا اور اس طریق کے صیغے جو دوسرے طریقوں سے ہیں زبانی تبلادوں گا، چنانچہ اسی شب مبارک میں یہ وعدہ پورا ہوا اور وعدہ سے بڑھ کر مجھے الطاف ہوئے جو میں اپنی پرتقصیر زبان سے ظاہر نہیں کرسکتا۔

وطن میں آپ نے اپنی عمر اس طرح مستور الحال رہ کر اور اس سادگی وبے تکلفی عزلت وخاموشی تواضع اور بے تکلفی کے ساتھ گزاری کہ آپ کے ہم وطنوں اور عزیزوں میں سے بھی کسی کو مشکل سے آپ کی علمیت اور بزرگی کا احساس ہوتا ہوگا اور آپ کا کوئی امتیاز نظر آتا ہوگا، عمر کا بڑا حصہ عسرت اور معاش کے ترددات اور افکار میں گذرا جس سے آپ کے کمالات اور ذاتی جوہروں پر پردہ پڑا رہا اور ابنائے زمانہ کی آنکھوں سے آپ کی صحیح حیثیت اوجھل رہی، یہ پورا زمانہ بلکہ پوری عمر آپ نے بڑے صبر واستقامت، خودداری اور زہد وقناعت سے گزاردی۔

آپ کا دل بہت صاف تھا، حسد، کینہ اور غصہ سے بہت دور تھے کسی کا ذکر برائی سے نہ کرتے، مال کی حرص نہ تھی عزت وجاہ سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنے کام سے کام تھا، خاندان کے جھگڑوں میں دخل نہ دیتے، خاندانی ...... مناقشوں سے ہمیشہ الگ رہتے اور اپنے تعلقات اور وضعداری میں فرق نہ آنے دیتے، جن سے ملتے اس سے ملتے رہتے، صلہ رحمی اور عزیزداری کا بڑا لحاظ تھا۔ اپنے کسی کمال یا امتیاز کا خود بھی کوئی احساس نہ تھا، باوجود اس کے کہ حضرت مولانا خواجہ احمد صاحب سے خلافت واجازت رکھتے تھے۔ منازل وسلوک سے بخوبی آگاہ اور ہمیشہ ذکر وشغل ونوافل میں مشغول رہے مگر کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا اور نہ اپنے کو مشیخت وارشاد کا اہل سمجھا۔

"بہجۃ السادات" میں اپنے برادر طریقت حضرت سید ضیاء النبی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"افسوس فقیر کاتب وایں بزرگ ہر دو یکجا در بیعت کردیم او بمآل مراد رسید وبندہ من نامراد باوجودیکہ مرا خلافت از مولانا صاحب واایشاں محض مرید شدہ بودند لیکن ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ما ومجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت وما در کوچہا رسوا شدیم

اسی کتاب میں اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

" آفتاب عمرش بہ رحلہ شصت وششم رسیدہ ظاہر قریب بہ دو بیست، بیعت طریقت از قدوۃ الراسخین سید خواجہ احمد نصیرآبادی قدس سرہ دارد اما نسبت ایں کار باتحفظ کردہ شرمس می آید چراکہ نسبت ناخلفی خویش بحضرت الحاج سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم زیراکہ ہمہ عمر راہ بطالت پیمود واکنوں کہ آفتاب عمرش لب بام است ہم بر سر معاصی دائم است ومے نمیگزرد کہ خیال عصیاں وتمرد از بارگاہ جلال ایزدی جلت عظمتہ دامن دلش محکم نگیرد از طاعات شاذ ونادر آنچہ کردہ بجا نیاوردہ است کہ برضائے باری شود وانچہ کردہ سرمایۂ بد بختی خاوند بجز مضمون آیۂ کریمہ قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ وآیت کریمہ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت الحقنا بہم ذریتہم وحاشیہ الصالحون لی امیدے وبضاعتے ندارد اگر محض کرم وقت خاتمہ ہم حسن تمام عنایت فرمایند غنیمت ورنہ دوزخ مقر ہمیں است علی امرئ بما کسب رھین؛

اس حسن خاتمہ کی شہادت (جس کی اس تحریر میں آرزو کی گئی ہے) مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنئے جو انتقال کے وقت موجود تھے۔

"۱۴ رمضان المبارک کو تپ لرزہ کے ساتھ لاحق ہوئی اور عادت کے مطابق اسہال شدت سے شروع ہوگئے دوسرا روز یوم الراحۃ تھا، تیسرے روز پھر لرزہ کے ساتھ باری آئی اور اس قدر اسہال واستفراغ ہوا کہ ضعف ونا طاقتی سے بیہوش ہوگئے، تمام رات غافل رہے اور یوم الراحۃ کو بھی نقل وحرکت کی طاقت نہ رہی۔ اسی طرح روز بروز ضعف غالب آ گیا، ساتویں روز یوم الراحۃ کو تمام دن ہوشیار وبیدار رہے اور اپنے ہاتھ سے دونوں کو تپ اور لرزہ کی گولیاں جو آپ کے معمولات میں سے تھیں اپنے قلمدان سے نکال کر دیتے رہے اور بیری کی لکڑی جس پر کچھ لکھ کر رکھ چھوڑا تھا بازو پر باندھنے کے لئے دیتے رہے، شام کے اسہال شروع ہو گئے۔ ہر مرتبہ طاقت جواب دیتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ مغرب کے بعد نبض بھی ساقط ہو گئی، اور سوائے سانس کے زندگی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی اور دس بجے شب کو یک بیک جنبش پیدا ہوئی اور آنکھ داہنی جانب جھک گئے، اور قلب جاری ہوگیا۔ اور اس میں اس قدر شدت وحرکت پیدا ہوئی کہ سو قدم کے فاصلے سے لفظ مبارک "اللہ" سنا جا سکتا تھا، قلب مبارک میں اتنی جنبش تھی کہ گویا ایک ایک بالشت اچھلتا ہے۔ یہ حال ایک بجے رات تک رہا پھر انحلال پیدا ہو گیا۔ اس وقت اس فقیر نے بعض حاضر الوقت دوستوں سے کہا کہ سورہ یٰسین تلاوت کریں، تلاوت کرتے ہی خاموشی اور سکون پیدا ہو گیا۔ دوبارہ سورہ یٰسین کی تلاوت ہوئی، پھر تلقین شروع کی آپ نے ذکر لسانی شروع فرمایا، جبڑا اور زبان کی حرکت دیکھنے سے اور آواز قریب سے سننے سے معلوم ہوتی تھی لفظ مبارک "اللہ" کو کمال تجوید کے ساتھ ادا فرماتے تھے جیسے کہ زندگی میں عادت مبارک تھی، اسی طرح آخر تک ذاکر رہے دم واپسیں کے وقت ذکر اسم بلند ہو گیا اور زبان اسم ذات کے ادا کرنے میں متحرک ہوئی مگر پورے طور پر ادا نہ ہونے پایا تھا کہ جان جان آفریں کے سپرد کی ؎

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بر نزدیک یار

وہ رات ہم لوگوں کے لئے شب قدر تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملائکہ رحمت نے ہر طرف سے ہجوم کیا ہے۔ تنہائی سے کوئی وحشت اور ایسے شفیق باپ کے دنیا سے اٹھ جانے سے کوئی صدمہ نہ تھا، قلب میں عجیب کشائش تھی اور بے ساختہ زبان پر الحمد للہ جاری تھا، احباب تسبیح وتہلیل میں مشغول تھے اور نماز تہجد ادا کر رہے تھے اور ایسی کیفیت محسوس کر رہے تھے جو بیان میں نہیں آسکتی، میں نے اس طرح کی کیفیات اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھیں،

یہ واقعہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ کا ہے اس وقت والد ماجد کی عمر اٹھتر سال کی تھی۔

(ماخوذ از تحریر فارسی مولانا حکیم سید عبدالحی ؒ)

ختم شد

عورت کی امارت

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

پاکستان میں صدر کا انتخاب ہونے والا ہے جس کے لئے ایوب خاں صاحب کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح صاحبہ امیدوار ہیں۔ جہاں تک انتخاب کا سوال ہے کسی ہندوستانی کا اس پر بحث، کرنا بے سود بھی ہے اور بے محل بھی لیکن اسی کے ذیل میں ایک حکم شرعی کی بحث شروع ہو گئی جس پر اظہار رائے ناحق کسی ملک اور وطن کا پابند نہیں ہے۔ خصوصاً اس صورت میں قلم اٹھانا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے، جبکہ بعض افراد یا جماعتوں کی جانب سے بہت ہی غلط اور گمراہ کن انداز فکر کا اظہار ہو رہا ہو اندیشہ ہے کہ ایسے وقت کسی باخبر کا سکوت، معصیت کے مرادف نہ قرار پائے۔ حدیث نبوی ہے۔

لن یفلح قوم ولّوا	وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی
امرھم امرأۃ	جو اپنی حکومت عورت
(مشکوۃ شریف بحوالہ بخاری)	کے سپرد کر دے۔

کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عورت کو صدر مملکت بنانے کی ممانعت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اگر جہالت نہیں تو تجاہل ہے جو اس سے زیادہ خطرناک ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے استشہاد اس سے زیادہ ناواقفیت کی علامت ہے۔ جنگ جمل کے موقع پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کوئی متوازن حکومت سرے سے بنائی ہی نہیں گئی جو اس کی سربراہی کا سوال ہوتا۔ جنگ ہی اتفاقی تھی اور کسی درجہ میں بھی اس کا انتظام یا اس اجتماع کا نظم ام المومنین کے سپرد نہ تھا ام المومنین کے گرد مسلمانوں کے اجتماع کی حیثیت وہی تھی جو ماں کے گرد اولاد کے اجتماع کی ہوتی ہے۔ ان کو کسی مملکت کی سربراہی یا کسی عہدے وغیرہ سے کوئی واسطہ ہے نہ انھیں امیر بنایا گیا تھا نہ صدر مملکت نہ کوئی اس قسم کا نظام قائم کیا گیا تھا۔ ام المومنین کی بات کا وزن محض ان کی عظمت شان اور ام المومنین ہونے کی وجہ سے تھا۔

مصر کی فاطمی سلطنت کے عمل سے استدلال ایک گمراہ کن مغالطہ ہے جو حیرت انگیز بھی ہے۔

جن لوگوں کے اسلام میں بھی کلام ہو انھیں دیندار کہنا اور انکی سلطنت کو اسلامی اصول کے مطابق بتانا بڑی افسوسناک جرأت ہے۔ اور اگر بالفرض اس غلط بیانی کو تسلیم کر کے انھیں مسلمان اور دیندار بھی تصور کر لیا جائے تو بھی ان کا فعل کوئی دلیل شرعی نہیں ہے نہ اس کی سند کسی درجہ ہی میں معتبر مانی جا سکتی ہے اس طرح کسی ریاست کے علماء اگر مجبوراً کسی عورت کی حکومت کو گوارا کر لیں تو یہ اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی جبکہ حدیث نے صراحتہً اس کی ممانعت کی ہے۔ یہ تو اس کی دلیل بھی نہیں ہے کہ ان علماء نے خوشی سے اس حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ کسی خبر کو گوارا کر لینا دوسری چیز ہے اور اسے جائز سمجھنا دوسری شے تاہم بالفرض اگر کسی زمانہ کے علماء غلطی سے اسے جائز ہی قرار دے دیں تو بھی ان کی بات کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کلام نبوی کے مقابلے میں ہر اک کی رائے بے وقعت اور بے وزن ہے۔ اس قسم کے مہمل دلائل سے عورت کی صدارت مملکت کو جائز ثابت کرنے کی کوشش صریح فریب دہی اور مغالطہ انگیزی یا دین سے ناواقفیت کی واضح علامت ہے۔

جماعت اسلامی نے وا اس سلسلہ میں غضب ہی کر دیا۔ اسکا یہ کہنا کہ "عورت کی سربراہی کی ممانعت تو ضرور ہے مگر اس کا کیا ثبوت کہ یہ حکم دائمی ہے"

عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہونے کے علاوہ الحاد و زندقہ کی طرف جانے کے لئے ایک نئے باب کا افتتاح بھی ہے۔ شریعت کے کتنے احکام کے متعلق یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کے دائمی ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ مثلاً کوئی کہے کہ نکاح کو چار عورتوں تک محدود رکھنے کا حکم دائمی نہیں ہے۔ اگر ہے تو اس کا کیا ثبوت ہے؟ اسی طرح حرمت ربوا کے دائمی ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ اس قسم کے بہت سے سوالات پیدا ہو سکتے ہیں، معلوم نہیں جماعت اسلامی ان سوالات کا کیا جواب دیگی؟

عجیب تو یہ ہے کہ اس جماعت کے صاحبان علم نے حدیث نبوی پر سرے سے غور ہی فرمانے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی ورنہ الفاظ حدیث خود دوام کو بتا رہے ہیں حرف "لن" عربی زبان میں تاکید نفی مستقبل کے لئے آتا ہے۔ حدیث مذکور "لن یفلح قوم" کا ترجمہ ہے۔ "ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم"۔ ان الفاظ سے بھی کوئی شخص دوام نہ سمجھے تو اس کی فہم کا قصور ہے اور اسے دوسروں کی رہنمائی چھوڑ کر خود اپنے لئے کسی صحیح رہنما کو تلاش کرنا چاہیئے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ حدیث نبوی صاف صاف کہہ رہی ہے کہ وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جو اپنی امارت کو کسی عورت کے سپرد کرے" اور جماعت اسلامی جو تا شہ دین کی دعوے دار اور دینداری و تقویٰ کی مدعی ہے وہ اس صریح حدیث کو بیک جنبش قلم یہ کہہ کر رد کر دے کہ یہ حکم دائمی نہیں ہے۔ فیا للعجب

حدیث مذکور کے علاوہ فقہ کی کتابیں متفقہ طور پر کہہ رہی ہیں کہ امیر مملکت کو جس کا ایک نام امام بھی ہے مرد ہی ہونا چاہیئے۔ عورت کو اس منصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ بطور نمونہ فقہ کی مشہور و معتمد علیہ کتاب در مختار اور اس کی شرح کی عبارت ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

(ویشترط کونہ ذکراً)	امام (یعنی امیر مملکت) کا آزاد
ولان النساء امرن بالقرار	اور مرد ہونا شرط ہے۔ اس لئے
فی البیوت فکان مبنی	کہ عورتوں کو (اصل کے لحاظ سے)
حالھن علی الستر والیہ	گھروں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے
اشار النبی صلی اللہ علیہ	اور انکی حالت کے بارے میں اصول
وسلم حیث قال،	یہ ہے کہ وہ (مردوں سے) پوشیدہ
کیف یفلح قوم تملکھم امرأۃ	رہیں اور اسی کی طرف نبی کریم
(انتہی)	صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اشارہ
(در مختار و رد المختار باب الامامۃ)	فرمایا ہے کہ "وہ قوم کیسے فلاح
(جلد اول)	پائے گی جس کی حاکم کوئی عورت ہو"

پاکستان کے الکشن کا معاملہ تو اہل پاکستان جانیں لیکن میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شریعت اور حکم رسول کی خلاف ورزی کر کے وہ سوا نقصان کے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مس فاطمہ جناح صاحبہ کو صدر مملکت بنا کر یہ لوگ اتنی شدید حماقت کا ارتکاب کریں گے جو دوسروں کی ہمدردی کے بجائے انھیں ان کے استہزا اور تمسخر کا مستحق بنائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسکندر مرزا کے دور کی یاد تازہ ہو جائے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ایران کی تاریخ دہرا دی جائے۔ یعنی حکومت اکثریت کے ہاتھ سے نکل کر ایک خاص اقلیتی فرقہ کے ہاتھ میں اس طرح پہونچ جائے کہ اکثریت منھ دیکھتی رہ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس غلط انتخاب کی پاداش میں پاکستان اپنی آزادی کھو کر ایران کا ایک حاشیہ بردار بن جائے۔

بقیہ، مرکز اسلامی جنیوا

سے دوچار ہونا پڑا۔ عرب قوم پرستی کی علم بردار اور انسانیت دوستی کی دعویدار حکومت مصر نے سوئٹزرلینڈ کی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ سعید رمضان کی سرگرمیوں کو ختم کر دے اور اسلامک سنٹر کو وہاں جگہ نہ ملے۔۔۔۔ کبھی ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ امریکہ کے ایجنٹ ہیں، کسی نے کہا سعودی عرب کے پٹھو ہیں۔۔۔ غرض ان تمام حوصلہ شکن مراحل سے عزم و ثبات اور خندہ پیشانی سے وہ گذر رہے ہیں اور اپنے کام میں ہمہ تن منہمک و مستعد ہیں۔ سہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

فردوس تجلی

از مرحوم حمید صدیقی لکھنوی

جب نسیم طیبہ کا جھونکا کبھی آجائے ہے — شعلۂ سوز نہاں کو اور بھڑکا جائے ہے
قبۂ انور کا منظر یاد جب آجائے ہے — نور کا عالم نگاہ شوق پر چھا جائے ہے
قافلے جب صف بہ صف جاتے ہیں طیبہ کی طرف — اک عجب عالم ہر جانب نظر آجائے ہے
گونج اٹھتی ہیں فضائیں نغمۂ لبیک سے — جب وفور شوق میں احرام باندھا جائے ہے
چاندنی شب میں وہ اونٹوں کا خرام دلنشیں — ہر قدم پر دعوت نظارہ دیتا جائے ہے
بیخود و سرشار ہو کر جادۂ پر شوق میں — اپنے نغموں سے حدی خواں وجد میں آجائے ہے
وہ پہاڑوں کا تسلسل وہ نگاہ جستجو — ہر حجاب درمیاں رہ رہ کے اٹھتا جائے ہے
دیدہ و دل جگمگا اٹھتے ہیں نور دید سے — دور سے جب منزل عرفاں نظر آجائے ہے
کوئی مصروف فغاں ہے کوئی ہے محو سکوت — کوئی فرط بیخودی میں رقص کرتا جائے ہے
"یا شفیع المذنبین بار گناہ آوردہ ام" — دمبدم با دیدہ نم کوئی پڑھتا جائے ہے
اپنا اپنا حسن نسبت اپنا اپنا حال شوق — کوئی روتا جائے ہے اور کوئی ہنستا جائے ہے
پہلے پہلے اٹھتے ہیں چشم تمنا کے حجاب — رفتہ رفتہ سامنے دل کا مقام آجائے ہے
اور ہو جاتی ہے ہر دم دل کی دھڑکن تیز تیز — کوئے طیبہ جسقدر نزدیک آتا جائے ہے
تشنگان دید کی ہوتی ہے قبل از وقت عید — جب ہلال گنبد خضرا نظر آجائے ہے
ہائے وہ وقت حضوری اضطراب التہاب — اشک بہتے جائے ہیں اور دل دھڑکتا جائے ہے
اے زہے وہ حیرت نظارہ کیف آفریں — دفعتاً جب سبز گنبد سامنے آجائے ہے
کیسا نظارہ کہاں کے ہوش کیسی تاب دید — روضۂ انور کی جانب کس سے دیکھا جائے ہے

مجھ کو پہروں تک خبر اپنی نہیں رہتی حمید
بیخودی میں ایک ایسا بھی مقام آجائے ہے

قرآن حکیم

(ابوالاسرار رمزی اٹاوی)

ادب سے بوسے لیتی ہے عقیدت کی فراوانی
امین جلوۂ صدق و صفا ہے تیری پیشانی
مسلماں دیکھ سکتا ہے جمال عکس یزدانی
ترے صفحات ہیں آئینۂ اسرار ربانی
حرارت بخشتی ہے قلب کو جلووں کی تابانی
ترے دم سے منور ہے حریم بزم روحانی
تری پاکیزہ کرنوں سے زمانہ میں اجالا ہے
ترے لفظوں میں روشن ہے چراغ نور عرفانی
تو وہ مشعل ہے جو روز ابد تک بجھ نہیں سکتی
مشیت کر رہی ہے اپنے وعدہ کی نگہبانی
ترے اعجاز و حکمت کا احاطہ غیر ممکن ہے
ترے آگے سپر انداز ہے پرواز انسانی
تجھے سجدے کئے "شعر عرب" نے معترف ہو کر
ندامت سے بساط عجز پر ٹپکی ہے پیشانی
ترا نقطہ سپر ہر دائرہ شمشیر مومن ہے
تری سطروں میں پوشیدہ ہے تنظیم مسلمانی
ترے احکام کے تعمیل سے تقدیر بنتی ہے
ترا قانون ہے سرچشمۂ بہبود انسانی
سکھائی ہے تری تعلیم نے مومن سپاہی کو
خدا کی بندگی کے ساتھ تدبیر جہانبانی
تری آواز اقدس نے طلسم تبکدہ توڑا
دیا انسان کو توحید کا اک درس لاثانی
الوہیت فنا کی تو نے سارے دیوتاؤں کی
خدائی چھین لی مجبور اور باطل خداؤں کی

مومن ... ... اور تحریک جہاد

مولانا محمد ثانی حسنی

حکیم مومن خاں مومن کے علم و فضل اور بلند پایہ شاعری سے کسی کو انکار نہیں، وہ تغزل کے بادشاہ تھے، ان کی نازک خیالی اور کلام کی لطافت و نزاکت پر بڑے بڑے نقادوں نے اتفاق کیا ہے،

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ "گلشن بے خار" میں لکھتے ہیں:

"بزعم فقیر بقوت شاعری ایشاں کم کسے برخاستہ و در جلس آنچناں مکافتی دانی دارد کہ کسے را ادنیٰ مصنف ہم میسر نیامدہ اگر حظے از فہم خداداد داری بیاد بدیوانش نظر کن و تصدیق و تکذیب من زبان انصاف بکشا"

محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں:

"ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں استعارہ اور تشبیہ کے زور سے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہونچایا ہے۔ ان میں معاملات عاشقانہ عجیب مزے سے ادا کئے ہیں۔"

خود مولانا حالی نے "یادگار غالب" میں ان کی خصوصیت و تفوق اور امتیاز کو تسلیم کیا ہے، ان تمام کمالات کے ہوتے ہوئے وہ رنگین مزاج، رنگین طبع خوش وضع خوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، مرزا فرحت اللہ بیگ نے جو سرایا کھینچا ہے اور ان کے رہن سہن طور طریقوں اور طرز معاشرت اور شب و روز کا جو نظام لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بظاہر یقین نہیں آتا کہ ایسے رنگیں مزاج اور نازک خیال اور عیش و تنعم کے دلدادہ ع

"آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے"

جن کو نواب وزیر الدولہ والئی ٹونک نے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاص مرید اور سچے عاشق تھے۔ ٹونک آنے کی دعوت دی۔ انھوں نے اس خیال سے کہ نواب جیسے زاہد متقشف کے ساتھ کس طرح گذارہ کر سکیں گے۔ ع

میں ہوں مذبذب اور تو ہے متقطع میرا تیرا میل نہیں

بجائے خود جانے کے ایک قصیدہ لکھ کر معذرت کر دی۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے سے

یاد ایام عشرت فانی

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

کس طرح جنگ و رباب کے بجائے شمشیر و سناں کے سایہ کو پسند کریں گے اور اللہ کے راستہ میں آبلہ پائی اور جہاد کی تمنا میں بے اختیار کہہ اٹھیں گے۔

مومن تمھیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں
ہے معرکۂ جہاد چل دیجے وہاں!
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز
وہ جان جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

حقیقت یہ ہے کہ مومن خاں نے جب ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے عربی کتابیں پڑھیں اور جب جوان ہوئے تو حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست بابرکت پر بیعت ہو گئے اور پھر ایسا دینی رنگ چڑھا کہ آخر آخر تک عقائد و خیالات میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو و متبع رہے۔ عقائد کی پختگی کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ایک بڑے فاضل اور معقولات کے ملتے ہوئے ایک بڑے عالم سے ان کا یارانہ تھا۔ شب و روز صحبتیں رہتیں، بے تکلف مخلص صحبتیں، دونوں ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے لیکن وہ عالم بدعت کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ مومن خاں اس رنگ کو پسند نہ کر سکے اور اس گہرے تعلق کو خیرباد کہتے ہوئے اعلان کر دیا۔ ع

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کیمیا اثر نے مومن خاں کی دنیا بدل دی اور ان کے دل میں ایسی محبت و شیفتگی بھر دی کہ جس کا پیمانہ چھلک چھلک پڑتا تھا اور وہ بے خود ہو کر پکار اٹھتے سے

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدی دوراں تلک

مومن خاں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی مدح و توصیف میں فارسی اور اردو میں کئی قصیدے کہے اور ہر قصیدہ طویل کہا فارسی کے ایک قصیدہ کے چند اشعار پڑھئے:

سبط نبی امام زماں زاحتساب او
پروئے خاک ریخت ز افسر آفتاب
اودور چرخ و حکم خداوند آسماں
اوما بتاب سنت و پیغمبر آفتاب
برمنبرے کہ خطبہ بنامش ادا کنند
سوزد بداغ حسرت آں منبر آفتاب
زنار کہکشاں شکند مہد دے فلک
صہبائے نور انگند از ساغر آفتاب
کم پایہ خادماں ترا خادم آسماں
کم رتبہ چاکراں ترا چاکر آفتاب
لشکر کشی چنانچہ بفوج تو می رود
مریخ پیش پیش و پس لشکر آفتاب
تا در مجاہداں بشمار ند ہر سحر
برخیمت از شعاع کشد چادر آفتاب
تا خطبۂ مدیح تو خواندیم داد را
ادا ز ماہ سیم نثار و زر آفتاب

اردو میں مدح و توصیف اور تحریک جہاد پر بے شمار اشعار ہیں جب حضرت سید احمد شہیدؒ ہجرت و جہاد کے لئے ۱۲۴۲ھ میں نکلے اس کی تاریخ نکالتے ہوئے مومن خاں کہتے ہیں:

جو سید احمد امام زماں و اہل زماں
کرے ملاحدِ بے دیں سے ارادۂ جنگ
تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سال وغا
خروج مہدی کفار سوز کلک تفنگ
۱۲۴۲ھ

کچھ لوگوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک جہاد کی مخالفت کو اپنا وظیرہ بنا لیا تھا یہ وطیرہ مومن خاں کو بہت گراں گذرا انھوں نے مخالفین کو بہت سخت الفاظ میں یاد کیا ہے

یہ چند منافق سراپا بدعت ہے کفر و ضلال و فسق جنکی طینت
تبلاتے ہیں بدعتی امام حق کو گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

حضرت سید شہیدؒ کے عشق و محبت میں وہ ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ کتنے بلند الفاظ میں حضرت شہیدؒ کی مدح و ثنا میں ایک قطعہ کہتے ہیں، چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

گلاب ناب سے دھوتا ہوں مغز اندیشہ
کہ فکر مدحت سبط قسیم کوثر ہے
وہ کون امام، امام جہانیاں احمد
کہ محض مقتدئ سنت پیمبر ہے
زمیں کو مہر فلک سے نہ کیوں ہو دعوئ نور
کہ اس کا رایت اقبال سایہ گستر ہے

حضرت سید صاحبؒ کی توصیف بیان کرتے کرتے جوش عقیدت میں اور آگے بڑھ جاتے ہیں:

زبسکہ کام نہیں ہے اسے سوائے جہاد
جو کوئی اس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے
وہ بادشاہ ملائک سپاہ کو کب دیں
کہ نور شمس و قمر جس کے گرد لشکر ہے
وہ شعلہ خصلت و حساد سوز و کفر گداز
کہ جس کا نقش قدم مہر روز محشر ہے

وہ برق خرمن ارباب شرک و اہل ضلال
کہ شعلہ خوشۂ حاصل تو دانہ اخگر ہے
وہ قہرمان فلک توسن بجنوم حشم
کہ ترک چرخ غلام اس کا مہر چاکر ہے
وہ شاہ مملکت ایماں کہ جسکا سال خروج
امام برحق مہدی نشان علی فر ہے
۱۲۴۶ھ

اور صرف تعریف ہی نہیں، اپنی غلامی اور عقیدت کیشی پر فخر و ناز بھی ہے وہ کتنے فخر سے کہتے ہیں:

خدایا لشکر اسلام تک پہونچا کہ آپہونچا
لبوں پر دم بنا ہے جوش خوں شوق شہادت کا
نہ کر بیگانۂ مہر امام اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے انکی امامت کا
امیر لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا
زمانہ مہدی موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

حضرت سید احمد شہیدؒ سے عقیدت صرف عقیدت ہی کی حد تک نہ تھی بلکہ حضرت شہیدؒ کی تحریک جہاد میں وہ شامل بھی تھے، اور خدا کی راہ میں سر کٹانے کی تمنا ان کو ہر وقت بے چین کئے رہتی تھی جہاد پر ان کی ایک پوری مثنوی ہے جس میں شوق جہاد اور شہادت کی تمنا اور باطل پر فتح اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خواہش بھری ہوئی ہے۔ مثنوی جہادیہ کا ایک شعر تو اتنا مقبول ہوا کہ برسہا برس تک مسلمان مائیں جب اپنے بچوں کو سلاتیں تو اس کو بطور لوری کے استعمال کرتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بچے سنتے سنتے سو جاتے۔ خواب دیکھتے تو اسی کا، اور بیدار ہوتے تو اپنے دل و دماغ میں یہی شوق لے کر بیدار ہوتے، خصوصاً حضرت سید احمدؒ شہید کے خاندان میں یہ شعر زبان زد خاص و عام تھا۔

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

مومن خاں کی یہ مثنوی کافی طویل ہے لیکن ہر ہر شعر جذب و شوق اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مومن خاں ایک شاعر رنگیں نوا نہیں ہیں بلکہ ایک مجاہد صف شکن ہیں وہ کسی مشاعرہ کے میر مجلس نہیں بلکہ میدان جنگ کے ایک سپاہی ہیں وہ اس تمنا میں بے چین ہیں کہ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی زبان سے لوگوں کو مسحور کرنے کے بجائے خدا کی راہ میں اپنی تلوار سے حق کے دشمنوں کے سر قلم کریں دیکھئے کہ وہ کس طرح اپنی تمنا اور خواہش کا اظہار کرتے ہیں:

پلا مجھ کو ساقی شراب طہور کہ اعضا شکن ہے خمار فجور
کوئی جرعہ دے دین فرجام کا کہ آجائے بس نشہ اسلام کا
بجنگ مے ایماں کو آجائے جوش نہ اپنا ہے اور نہ دنیا کا ہوش
عناد نہفتہ کو ظاہر کروں دم تیغ سے قتل کافر کروں
پے تشنہ کامی سبو در سبو پیوں شوق سے ملحدوں کا لہو
یہی اب تو کچھ آگیا ہے خیال کہ گردن کشوں کو کروں پائمال
بہت کوشش و جاں نثاری کروں کہ شرع پیمبر کو جاری کروں
دکھادوں بس انجام الحاد کا نہ چھوڑوں کہیں نام الحاد کا

پھر حضرت سید صاحب سے عقیدت و محبت جوش مارتی ہے اور اس تمنا کا اظہار کرتے کرتے مدح و توصیف پر قلم چل پڑتا ہے:-

نہ کیونکر ہوں اس کام میں ناشکیب ظہور امام زماں ہے قریب
وہ خضر طریق رسول خدا کہ سائے سے جسکے خجل مہر و مہ
زہے سید احمد قبول خدا سر امتحان رسول خدا
نکو گوہری کا نہ پوچھو شرف علی و حسین و حسن کا خلف
رہے حشر تک زندہ وہ نیک ذات ہے کفار کی موت اس کی حیات
خدا نے مجاہد بنایا اسے سر قتل کفار آیا اسے
دم اس دست و بازو پہ دیوے اجل لب تیغ کے بوسے لیوے اجل
اجل میں ہمیشہ رواں ہو ظفر
رکاب اسکی پکڑے رواں ہو ظفر

مجاہدین سے اتنا تعلق تھا کہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ مجاہدین ابدال و غوث سے کم نہیں اور ان کا ساتھ نہ دینا محرومی کی بات ہے:-

کہوں کیا لوائے امامت کا اوج کہ ہیں غوث و ابدال سب اہل فوج
خبردار ہو جاؤ اے اہل دل کہ رحمت برستی ہے اب متصل
ہوا مجتمع لشکر اسلام کا اگر ہو سکے وقت ہے کام کا
ضرور ایسے مجمع میں ہو نا شریک کہ خوش تم سے ہو وحدہ لاشریک
جو داخل سپاہ خدا میں ہوا فدا جی سے راہ خدا میں ہوا
حبیب حبیب خداوند ہے خداوند اس سے رضامند ہے
امام زمانہ کی یاری کرو
خدا کیلئے جاں نثاری کرو

وہ جہاد کا شوق دلاتے ہیں اور آخرت کی سعادت و کامرانی کی بشارت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زندگی کا کیا ٹھیک جب مرنا ہے تو خدا کی راہ میں مرو:-

کسی کو نہیں ہے اجل کی خبر کہ آجائے بیٹھے ہوئے اپنے گھر
تو مقدور کس کا کہ آنے نہ دے تن خستہ سے جاں کو جانے نہ دے
تو بہتر یہی ہے کہ جاں کام آئے پس مرگ تربت میں آرام پائے
قیامت کو اٹھو تو تم بامراد
لب الحمد گو اور دل شاد شاد
عجب وقت ہے یہ جو ہمت کرو حیات ابد کو جو اسدم مرد
جو ہے عمر باقی تو غازی ہو تم سزاوار گردون فرازی ہو تم
یہ ملک جہاں ہے تمھارے لئے نعیم جناں ہے تمھارے لئے
شراکت یہاں کی ہے طالع کا اوج کہ ایسا امام اور ایسی ہے فوج
سعادت ہے جو جانفشانی کرے
یہاں اور وہاں کامرانی کرے

جہاد و شہادت کے فضائل سناتے سناتے اتنے بے خود ہو جاتے ہیں کہ خدا سے اپنی شہادت کی دعا کرتے ہیں اور اسی کو افضل ترین عبادت سمجھ کر اس کی توفیق مانگتے ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کا انجام اور ان کا حشر اسی مبارک جماعت کے ساتھ ہو:-

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
الٰہی اگرچہ میں ہوں تیرہ کار پہ تیرے کرم کا ہوں امیدوار
تو اپنی عنایت سے توفیق دے عروج شہید اور صدیق دے
کرم کر نکال اب یہاں سے مجھے ملادے امام زماں سے مجھے
یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں مری جاں فدا ہو تری راہ میں
میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں
اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

مثنوی جہادیہ کیا ہے، ایک رزم نامہ ہے۔ اس کو پڑھ کر خون میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور خدا کی راہ میں مرنے مارنے کا بے پناہ جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ مومن کے ان اشعار نے مجاہدین کے خون میں بڑی گرمی پیدا کر دی تھی اور ان کی مثنوی تحریک جہاد کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد کر رہی تھی اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مومن خاں نے اپنے ماحول اور معاشرہ کے برخلاف حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک جہاد کی بڑی مدد کی اور عوام و خواص میں جہاد اور قربانی کی روح پیدا کر دی، اس کا صحیح اندازہ ان کے تمام قصائد کو جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے مدح و توصیف میں لکھے اور مثنوی جہادیہ (جو تحریک جہاد کے سلسلہ میں لکھی جن کے چند نمونے یہاں پیش کئے گئے) پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے مختلف لوگوں کے نام جو خطوط لکھے یا لکھوائے ہیں اور ان میں مومن خاں کا تذکرہ آگیا ہے تو بڑے بلند الفاظ اور القاب استعمال کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن خاں کا درجہ فن شاعری اور تہذیب و شائستگی کے علاوہ دینی اور مذہبی لحاظ سے کتنا بلند تھا۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم شاعر اور مومن دل و دماغ رکھنے والے پر اپنی رحمت و مغفرت کی بارش کرے۔

تعمیر حیات
میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اسحاق جلیس ندوی

مرکز اسلامی جنیوا

اور اس کے بانی

ڈاکٹر سعید رمضان

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی "مرکز اسلامی جنیوا" ISLAMIC CENTRE (GENEVA) کی دعوت پر ۲ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو بذریعہ ہوائی جہاز جنیوا (سوئٹزرلینڈ) روانہ ہوگئے۔ اس موقع پر ہم یورپ کے ظلمت کدے میں ایمان و اسلام کی شمع روشن کرنے والے "اسلامی مرکز جنیوا" اور اس کے جواں سال بانی ڈاکٹر سعید رمضان کا (جو اپنے وطن مصر سے جلاوطنی کے بعد یورپ میں اسلام کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں) تعارف اردو داں حلقہ سے کرا رہے ہیں ——————

جہاں میں اہلِ ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آج سے ٹھیک دس سال قبل نومبر ۱۹۵۴ء کی ایک خاموش و پرسکون رات کو قاہرہ کی سڑکوں پر فوجی ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ اور فوج کے جوانوں کی نقل و حرکت نے بے خبر عوام کو چونکا دیا —— فوج اور پولیس کی ان سرگرمیوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا کسی دشمن ملک نے اچانک حملہ کر دیا ہے اور اس سے مقابلہ اور مدافعت کی یہ تیاریاں ہو رہی ہیں —— مگر صبح کے اخبارات کے ذریعہ عوام کو یہ خبر پڑھ کر حیرت ہوئی کہ مصر کی فوجی حکومت نے دنیائے اسلام کی محبوب و مقبول دینی جماعت اور مشرق وسطیٰ میں اسلام کے نشاۃ ثانیہ کی واحد مرکز امید تحریک "اخوان المسلمین" کو پوری طرح کچلنے کی غرض سے یہ اقدامات کئے ہیں۔

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

آن کی آن میں اخوان کے صف اول کے رہنماؤں، کارکنوں اور ہمدردوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا جہاں انھیں وحشت ناک اذیتیں پہونچائی گئیں۔ تحریک اخوان کو پورے ملک میں خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور اس کے مرکز کو پولیس اور فوج کے سپاہیوں اور کرائے کے غنڈوں کے ذریعہ نذر آتش کر دیا گیا۔

گرفتار شدہ مظلوموں کو ایک مخصوص فوجی عدالت میں پیش کیا گیا جس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت برائے نام سرسری سماعت کے بعد لاتعداد باصلاحیت، مخلص، اسلام پسند اور محب وطن افراد کو طویل المیعاد قید بامشقت اور حبس دوام کی سزائیں سنا دی۔ اور پانچ صف اول کے لیڈروں کو جن میں سے ہر ایک علم، تقویٰ، انتظامی صلاحیت اور اسلام پر سرفروشی میں اپنی مثال آپ تھا۔ پھانسی کی سزا دے دی۔ اخوان کے ان پانچ قائدین کے علاوہ جن چار دیگر رہنماؤں کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا تھا (اور جو گرفتاری کے بعد مصر کی استبدادی حکومت کے نزدیک سزائے موت ہی کے مستحق ہوتے) ان میں ایک ڈاکٹر سعید رمضان ہیں جو نہ جانے کس طرح اپنی جان بچا کر مصر سے شام پہونچ گئے اور جن کے زندہ بچ جانے کی خبر سن کر مصر کے فوجی ڈکٹیٹر جمال عبدالناصر نے غصہ سے اپنے ہونٹ چبالئے۔

جواں سال ڈاکٹر سعید رمضان قائد تحریک اخوان المسلمین

کے بانی شیخ حسن البنا شہیدؒ کے داماد، اخوان کے سرگرم اور صف اول کے رہنما، ایک ممتاز قانون داں اور..... عالم اسلام کے مشہور علمی و دینی ماہنامہ "المسلمون" کے ایڈیٹر تھے —— اپنے محبوب وطن مصر سے جلاوطن ہونے اور بارہا دعوت اسلامی کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی کٹھن منزلوں سے گزرنے کے باوجود سعید رمضان مایوس ہراساں، دل شکستہ اور معطل و مفلوج کبھی نہیں ہوئے —— بلکہ دار و رسن کی منزلوں سے گزر کر اور مصائب و ابتلاء کی بھٹیوں میں تپ کر ان کی صلاحیتوں میں نکھار اور قوت عمل میں تازگی پیدا ہوتی رہی ؎

جب کبھی آئے ہماری راہ میں دار و رسن
ہو گیا ہے اور سوز قلب و عزم دل فزوں

دمشق پہونچ کر ڈاکٹر سعید رمضان نے استاد مصطفےٰ سباعی (امیر اخوان المسلمین شام) کی معیت میں دعوتی کام کا آغاز کیا اور ماہنامہ "المسلمون" کو دوبارہ دمشق سے جاری کیا —— مگر حکومت مصر سے شام کی حکومت کے روز افزوں تعلقات کے نتیجہ میں شام میں بھی ان کی تقریر و تحریر پر پابندی عائد کر دی گئی —— جاہ و اقتدار کی ہوس اور سیاسی مصالح نے طاقت و حکومت کے بل بوتے پر اس قلم اور اس زبان پر پابندی لگادی جو اسلام کی دعوت کے لئے وقف اور خیر کی اشاعت میں سرگرم تھی —— ایک مخلص داعی کو اسلام کی دعوت کے "جرم بے گناہی" میں ایک مسلم حکومت نے یہ کتنی بڑی سزا دی تھی

یہ تو زبان بندی [illegible] یہاں تو زبان [illegible]

سعید ایک دیوانہ ملاح ہے، جو ایک ایسی کشتی میں سوار ہے جس سے دریا خفا ہے۔ جس کو ساحل دور ہی دور سے جھنڈی دکھا کر کہتے ہیں کہ تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ یہ کشتی مصر کی طرف رخ کرتی ہے تو اسے جھنڈی دکھائی جاتی ہے کہ ادھر رخ نہ کرے..... یہ کشتی شام و عراق کی طرف رخ کرتی ہے تو اسے یہاں بھی سرخ جھنڈی دکھائی جاتی ہے کہ تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں..... مگر یہ ایسا سرپھرا ملاح ہے کہ جو موجوں سے لڑ رہا ہے، طوفانوں سے برسر پیکار ہے.....

اس پابندی کے زمانہ میں سعید رمضان اپنے نام کی بجائے "ابوایمن" اس کنیت سے مضامین لکھتے رہے —— چند دنوں کے بعد مصر و شام کا انضمام عمل میں آیا اب تو ان کے لئے شام میں قیام کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔ دمشق کو خیرباد کہہ کر انھوں نے لبنان، شرق اردن، ترکی اور حجاز میں چند دن گزارے مگر ہر جگہ انھیں اپنے ہم میں رکاوٹیں پیش آئیں۔ علامہ جمال الدین افغانی، شیخ احمد سنوسی، امیر عبدالکریم اور امیر شکیب ارسلان کی طرح سعید رمضان کو بھی ممالک اسلامیہ میں کہیں بھی چین و سکون نصیب نہیں ہوا۔ آج یہاں مقیم ہیں تو کل وہاں پناہ گزیں ؎ "قد ضاقت علیہم الارض بما رحبت" (زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی)

اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر سے سعید رمضان اس پورے عرصہ دوچار رہے اور آخر کار وہ جنیوا میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

جنیوا منتقل ہونے کے چند ہی دنوں بعد ڈاکٹر سعید رمضان انڈونیشیا جاتے ہوئے لکھنؤ اترے، ندوہ کے مہمان خانہ میں ان کا قیام تھا، اس موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع عباسیہ ہال میں ان کی ایک تقریر ہوئی۔ جلسہ میں عمائدین شہر، عوام اور طلباء کا ایک ہجوم تھا۔ ہر شخص سعید رمضان کی شخصیت اور وجاہت سے متاثر اور مرعوب تھا۔ سعید رمضان نے تقریر عربی میں کی اور غیر عربی داں حضرات کی سہولت کی خاطر اس کا اردو ترجمہ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے کیا۔ تقریر شروع ہونے سے پہلے مولانا نے ڈاکٹر سعید رمضان کا جن الفاظ میں تعارف کرایا اس سے سعید رمضان کی پوری دعوتی زندگی اور صفات و خصوصیات کا نقش سامعین کے دل و دماغ میں ثبت ہو گیا۔

مولانا نے اپنی تعارفی تقریر میں فرمایا:۔

"حضرات! مجھے جن شخصیتوں کے تعارف میں خاص طور پر مسرت و عزت محسوس ہوتی ہے۔ ان میں ہمارے عزیز دوست سعید رمضان ہیں..... قوموں کی زندگی اور ان کی صلاحیتوں کے لئے دنیا میں چند مقیاس ہیں۔ ان میں سے ایک مقیاس اور ایک پیمانہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ان میں کتنے صاحب صلاحیت انسان ہیں۔ کسی قوم کی زندگی کا معیار یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس کتنی مال و دولت ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ اس میں ایسے نوجوان اور ایسے لوگ کتنے ہیں جو علمی، ذہنی اور فکری حیثیت سے ممتاز ہیں اور ان کی یہ صلاحیتیں دعوت حق کے کام آرہی ہیں۔

اس لحاظ سے اس وقت کا عالم اسلام کچھ زیادہ خوش نصیب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے اہل نظر کو یہ احساس ہوتا ہے کہ باکمال اور عبقری (GENIUS) قسم کے انسان نایاب ہیں عالم اسلام باکمال و باصلاحیت لوگوں سے خالی ہے —— مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ لوگ اس قسم کے موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ہمارے عزیز مہمان ڈاکٹر سعید رمضان ہیں۔

میں ان سے تقریباً دس بارہ سال سے واقف ہوں۔ میری ان سے پہلی ملاقات ۱۹۵۱ء میں ہوئی جب میں مصر گیا تھا۔ اور ہم دونوں ایسے ملے جیسے دو گہرے پرانے دوست ملتے ہیں۔ بعض کے زمانہ قیام میں ہر ملاقات میں میں ان سے متاثر ہوا۔ میرے مرحوم دوست مولانا مسعود عالم ندوی (جو ہند و پاک کی ممتاز علمی شخصیتوں میں سے ہیں) نے ایک مضمون لکھا ہے کہ میں اپنے معاصرین میں جن سے بہت زیادہ متاثر ہوں ان میں سعید رمضان ہیں۔ ان سے جب پہلی مرتبہ ملا تھا ان کی عمر ۲۵۔۲۶ سال سے زیادہ نہیں تھی مگر انہیں دیکھ کر اقبال کا یہ مصرعہ یاد آتا ہے کہ ؎

"ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں ہے"

عالم اسلام کی خاکستر سے سب مایوس ہیں مگر ڈاکٹر سعید رمضان جیسے پرجوش و صاحب فکر افراد کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادل برسنے والا ہے، کیونکہ امت میں اب بھی سعید رمضان جیسے نوجوان ہیں۔

میں نے انھیں اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے اور عدالت میں بحث کرتے ہوئے دیکھا ہے مجھے وہ واقعہ کبھی نہیں بھولے گا جب انھوں نے عدالت میں اخوان المسلمون کے ایک مقدمہ کی پیروی کی تھی اور ان کی عدالت کی تقریر پر سب رو رہے تھے اور بعضوں کی تو ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ جج نے ان کے موافق فیصلہ دیا۔

سعید رمضان ایسا صاف اسلامی ذہن میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ جاہلیت کا پرتو تک ان پر نہیں پڑا۔ اسلام کی خاطر اس زمانے میں وہ جان پر کھیلنے والا ہے۔ ان کے ان قابل صد ستائش صفات و کردار کی سزا انھیں یہ ملی کہ ان کا محبوب وطن مصر ان کے حق میں شجر ممنوعہ بن گیا۔ شام کا ملک جس نے انھیں پناہ دی تھی وہ بھی تنگ ہے۔ عراق بھی جا نہیں سکتے۔ آپ کو یہ سنکر تعجب بھی ہوگا اور افسوس بھی کہ جنیوا نے ان کو اپنا مہمان بنایا ہے۔ جنیوا جس سے ہمیں کوئی روحانی و دینی تعلق نہیں۔ آج وہ وہاں رہنے پر مجبور ہیں۔

مجھے سعید رمضان کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے اور میں ان کے متعلق جتنا کہوں مبالغہ نہ ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ سعید ایک دیوانہ ملاح ہے۔ جو ایسی کشتی میں سوار ہے جس سے دریا خفا ہیں جس کو ساحل دور ہی دور سے جھنڈی دکھا کر کہتے ہیں کہ تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ یہ کشتی مصر کی طرف رخ کرتی ہے تو اسے جھنڈی دکھائی جاتی ہے کہ ادھر رخ نہ کرے۔ یہ کشتی شام و لبنان کی طرف رخ کرتی ہے تو اسے یہاں بھی سرخ جھنڈی دکھائی جاتی ہے کہ تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ وسیع ترین دنیائے اسلام میں ایک حجاز باقی ہے جہاں بیت اللہ بھی ہے۔ اور مسکن نبی بھی مگر علامہ شبلی کے الفاظ میں کہ عرب کا یہ کبوتر بھی اب صیاد کی زد میں ہے۔ مگر یہ ایسا سرپھرا ملاح ہے کہ جو موجوں سے لڑ رہا ہے۔ طوفانوں سے برسرپیکار ہے۔ ہمیں اس سے محبت ہے۔ کیونکہ یہ اللہ و رسول کی سنت اور ان کی تعلیمات کا علمبردار ہے۔ اسے سر پر بٹھایا جائے تو وہ حق ہے۔ آج قوموں کے لئے قومیت فتنہ ہے۔ آج عربوں کے لئے عربی قومیت کا فتنہ ہے۔ مگر الحمدللہ یہ اللہ کا بندہ ان تمام فتنوں سے برسرپیکار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس امانت اور اس دین کا امانت دار ہے جو محمدؐ کے ذریعے دنیا میں آیا تھا۔ آج عرب قومیت اصل امتحان ہے۔ آج اگر کوئی شخص عرب قومیت پر اسلام کو ترجیح دے تو سمجھئے کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔ آج قومیت کے فتنے کے زمانے میں جو اللہ کا بندہ..... اللہ کے دین اور محمدؐ کی دعوت کا وفادار ہو تو وہ بلاشبہ تہجد گزاروں سے بڑھ کر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا —— یہ نوجوان اسی لئے ہمیں عزیز ہے۔ یہ بڑی دولت ہے، یہ وقت بڑا قیمتی ہے۔ آپ آئندہ فخر کریں گے کہ ہم نے سعید رمضان کو دیکھا ہے اور ان کی تقریر سنی ہے۔"

مولانا کے اس تعارف اور سعید رمضان کی تقریر کو سننے والے آج بھی موجود ہیں۔ جوش و جذبات میں ادا کئے ہوئے عربی جملوں پر سامعین کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کائنات کی نبض اور ان کے دل کی حرکت اس پر رک جائے۔

سعید رمضان کو دیکھ کر حکیم مشرق اقبال کے شاہین کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے ؎

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ؛ ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم ؛ مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

جنیوا میں قیام کے بعد ایک لمحہ بھی سعید رمضان اسلام کی دعوت سے غافل نہیں رہے، اور یورپ کے اس مرکزی مقام پر انھوں نے "مرکز اسلامی" (ISLAMIC CENTRE) قائم کیا جس کا مقصد یہ ہے کہ یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیمی مراکز میں تعلیم پانے والے ان ہزاروں مسلمان نوجوانوں میں اسلامی دعوت کا کام کیا جائے جن میں کا ہر ایک اپنے وطن واپس جاکر کسی اہم عہدہ اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہوگا۔ ان نوجوانوں کا اسلامی ذہن و فکر بنانے میں "اسلامک سنٹر جنیوا" بہت اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت و طباعت، ماہنامہ "المسلمون" کا اجراء، فکری مجلسیں، باہمی ربط و تعارف، اسلامی کتب خانوں اور مساجد کا قیام، اور عالم اسلام کی مشہور و معروف شخصیتوں کو مدعو کر کے ان کے خطاب کا اہتمام اور ان سے ہر ممکن استفادہ..... غرض ہر اس پروگرام پر عمل جس کے ذریعہ مغربی تہذیب کے اس صنم کدہ میں مسلم نوجوانوں میں "ابراہیمی صفات" برقرار رہیں، بلکہ ان میں اضافہ و ترقی ہو اور وہ "ابراہیمی تہذیب" کے داعی کی حیثیت سے یورپ میں زندگی گزاریں اور وطن واپسی کے بعد یہ نوجوان اسلام کے وفادار رہیں۔ اس سے وابستگی میں فخر محسوس کریں نہ کہ شرم۔ دنیا میں اسلام کے غلبہ اور تفوق کے لئے میدان ہموار کریں نہ کہ موجودہ حکمرانوں کی طرح حقیقی غلبہ اسلام کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوں۔

جنیوا میں بھی سعید رمضان کو ہر قسم کی مشکلات اور رکاوٹوں

"اسلامی مرکز جنیوا" علامہ اقبالؒ کی اس دعا اور تمنا کی تکمیل کے اسباب فراہم کر رہا ہے ؎

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

(باقی ص [illegible] پر)

مسلسل

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ

ڈاکٹر مصطفےٰ خاں پی۔ ایچ ڈی ڈی لٹ سندھ یونیورسٹی

"بادشاہ کی نسبت دنیا کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ۔ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے۔ اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے (یہ ایک مشہور حدیث کا ترجمہ ہے)۔ اسی طرح دنیا کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں اسلام پر کیا گذری۔ گذشتہ زمانے میں باوجود کمال غریب ہونے کے اہل اسلام پر اس قسم کی تباہی نہ گزری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے اور کفار اپنے طریق پر لکم دینکم ولی دین میں اسی مضمون کا بیان ہے اور گذشتہ زمانے میں کافر غلبہ پاکر دار اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے۔ اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر کرتے تو قتل کئے جاتے تھے (سن لیجئے غور سے) ہائے افسوس حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکر عزت و اعتبار میں، مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھی کرکے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتا تھا۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آگیا تھا (یعنی اکبر کے آخر تک ایسا تھا) آجکی بدولت اسلام کی ترقی بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں میں پہنچی اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار اور معاون ہوں اور شریعت کے رواج دینے (جو ابھی تک رواج نہیں ہوا تھا) اور مذہب کے تقویت دینے میں اس کی رہنمائی کریں۔ خواہ یہ امداد و تقویت زبان سے ہو سکے خواہ ہاتھوں سے۔ سب سے بڑھ کر مدد کتاب و سنت اور اجتماع امت کے طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا اور کلامیہ عقیدوں کا اظہار کرنا ہے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر راستے سے نہ بہکا دے اور کام نہ خراب کردے۔ اس قسم کی امداد علمائے حق سے مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں اور علمائے دنیا جن کا مقصود ہمہ تن دنیا پرستی ہے، ان کی صحبت زہر قاتل اور ان کا فساد متعدی ہے۔

[illegible] دین پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گزشتہ زمانے میں جو بلا اسلام کے سر آئی تھی وہ اسی جماعت کی کمبختی کے باعث تھی ......"

اس قسم کے خیالات کے مکتوبات بار بار لکھنا اور ایک ہی شخص کو زیادہ لکھنا بلا ضرورت نہیں ہو سکتا۔ اہل انصاف خود دیکھ لیں کہ فاضل مصنف کس مفروضے اور جذبے کو لیکر تنقیص نگاری کر رہے ہیں۔ اگر حضرت مجددؒ نے ایک آدھ بات ان مکتوبات کے ساتھ ضمناً کسی کے لئے سفارش میں لکھ دی تو یہ دیکھنا چاہئیے کہ خود لکھنے والے کی کوئی ذاتی اغراض وابستہ تھیں یا دوسروں ہی کے لئے ایسی سفارش لکھی گئی ہیں۔ بڑی کوشش سے فاضل محترم نے ایک مکتوب اپنی کتاب کے صفحہ ۴۳ میں نقل کیا ہے اور اس میں سے یہ اقتباس لیا ہے:

"مدت گزری کہ سرہند میں کوئی قاضی نہیں اور بعض احکام شرعیہ کے جاری کرانے میں بڑی دقت پیش آتی ہے (یعنی حکومت نے اگر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا تو حضرت مجددؒ کو مصلحتاً خاموش رہنا تھا) مثلاً ہمارا ایک بھتیجا یتیم ہے۔ اس کے باپ کی کچھ میراث باقی ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں اور ہم شرعی حکم کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہیں کر سکتے (ولا تقربوا مال الیتیم .... والے حکم کے باوجود حضرت مجددؒ کو خاموش رہنا تھا) اگر قاضی ہو تو اس کے حکم کے بموجب کام آسان ہو جائے۔"

یعنی شرعی حکم بھی جاری نہ کرانا تھا بلکہ مصلحت کا فلسفہ یاد رکھنا تھا۔

فاضل محترم نے اسی صفحہ پر صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں ایک فاضل کو قاضی بنانے کے لئے سفارش کی ہے (یعنی کہیں بھی اپنے اعزہ کے لئے عہدہ نہیں چاہا) اور امور شرعی کی کمزوری پر (بقول مصنف) "آنسو بہائے ہیں" لیکن مقصد یہ تھا کہ کسی شخص کے لئے سفارش بھی لکھ دی جائے۔ تو یہ بات فاضل محترم کو پسند نہیں ہے (خواہ وہ سفارش ہمیشہ دوسروں ہی کے لئے ہو) معلوم نہیں اس قسم کے سفارشوں پر بھی اعتراض کرنے والے خود بھی درپردہ کس قدر "اقربا پروری" کرتے ہیں لیکن انھیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

فاضل گرامی نے مخالفت کے جوش میں یہ غور نہیں فرمایا کہ دین و شریعت کی پیروی کرنے کے لئے بادشاہ کے نظام حکومت پر کڑی تنقید کرنے والا اور وہ بھی اعیان حکومت کو ان مضامین کے مکتوبات لکھنے والا کتنی جرأت والا شخص ہوگا۔ کچھ زمانہ حاضرہ کے "غیر جابرانہ" نظام حکومت کا مقابلہ اس وقت کی جابرانہ ملوکیت سے کرکے دیکھئے اور سوچئے کہ اہل حق کے خلاف کیا کچھ کیا جا سکتا ہے ---- پھر مکتوب (نمبر ۴۷ - دفتر اول) بھی ظاہر کرتا ہے کہ اکبری الحاد نے کیا کیا، اور وہ جہانگیر سے (صفحہ ۱۴۰) تخت نشینی کے موقع پر "قوانین اسلام کے احترام" کا وعدہ لیا گیا تھا وہ کہاں تک پورا ہونے کی امید ہو سکتی تھی۔

اکبر نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو لیکن بقول بدایونی:

"این ہمہ باعث دعوی نبوت شد۔ امّا نہ بہ لفظ نبوت" (صفحہ ۱۳۰) چنانچہ شیخ عبدالحقؒ بھی اسے نبوت کا مدعی سمجھتے تھے (صفحہ ۱۳۰) اور عبداللہ ازبک[1] نے بھی یہی "دعویٰ" سنا تھا تو اکبر کو خط لکھا تھا (۱۰۹)۔ شیخ محدثؒ کا وہ مکتوب بھی یاد رکھنا چاہئیے جو انھوں نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید کو لکھا تھا۔

پروفیسر نظامی نے اس مکتوب کے بارے میں لکھا ہے:

"حضرت شیخ ستر و کتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔ اس خط میں انھوں نے اکبر کی ایک ایک گمراہی کی نشاندہی کی ہے اور اس کے جانشین کو آگاہ کیا ہے کہ کہیں وہ ان گمراہیوں کا اعادہ نہ کر بیٹھے۔ یہ خط بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں شیر کی حکایت، پیغمبری کی نوعیت پر گفتگو، انقیاد شریعت و اعتقاد اسلامی کا مطالبہ، شیخ کے احساسات اور تاثرات کا پتہ دے رہا ہے"[2]

(باقی)

[1] یہ وہی عبداللہ ازبک تورانی تھا جس کی فرمائش پر حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ خلفائے ارشد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل پر لکھا تھا۔

[2] نظامی، ص ۳۰۸ (حیات شیخ عبدالحق)

بقیہ دیار غیر میں . . .

نہیں ہے لیکن میں نے اس سے کہا کہ یہ ایک دینی پرچہ ہے جو ہندوستان کے شمال مشرق کے ایک قصبہ سے نکلتا ہے۔ تم پر اللہ نے اسلام کی نعمت بخش کر یہ فضل کیا ہے کہ آج اتنی دور تمہارا تذکرہ ہو رہا ہے اور یقیناً جن مخلص مسلمانوں کی نظر سے تمہارا حال گزرے گا ان کے دل تمہارے لئے دعا کر رہے ہوں گے کیا یہ نعمت تمہارے بھائیوں تمہارے خاندان کے ہونہار سے ہونہار افراد کے بھی حصے میں آئی تھی؟ مصطفیٰ کے اس جواب میں ذرا گلوگیر آواز میں کہا کہ بے شک یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کا انکار نہیں لیکن میں تو اسلام کو اس وقت بھی ترجیح دوں گا جب دولت شہرت اور نیک نامی حاصل ہونے کے بجائے جو موجود ہے وہ بھی چھین لی جائے (باقی)

خطبات نبوی

زراعت پیشہ لوگوں سے خطاب

جیب الرحمن ندوی

آج سے تقریباً ڈیڑھ پونے دو ہزار برس پہلے جبکہ دنیا غذائی بحران کے مسئلے سے ناآشنا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اطلبوا الرزق فی خبایا الارض۔ (مجمع الزوائد) رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو۔ ایک حدیث میں ہے۔ وازدرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجرف (مبسوط) مقام جرف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کاشت کی ہے، مسند احمد اور بخاری شریف کی روایت میں ہے، من عمر ارضا لیست لاحد فھو احق بھا۔ جس نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا جو کسی کی ملکیت نہیں وہ خود اس کی ملکیت کا زیادہ مستحق ہے، ایک مرتبہ کسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے یہ تقریر ارشاد فرمائی

من کانت لہ ارض فلیزرعھا فان لم یزرعھا فلیمنحھا اخاہ (مسلم)

جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں کاشت کرے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے بھائی کو مفت دیدے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور کاشت کرے۔

صنعت وحرفت کی ترقی نے آج ہمارا دماغ آسمان پر پہونچا دیا ہے۔ کچھ دنوں پہلے تو اسلحہ سازی اور بڑی بڑی مشینوں کی ایجاد ہی کو ترقی کا اصل معیار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب دھیرے دھیرے حالات بدل رہے ہیں۔ آبادی کے بڑھتے ہوئے مسائل اور اناج کی کمی نے بہت سے لوگوں کو کھیتی کرنے اور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنانے پر مجبور کردیا ہے۔ چنانچہ کہیں کھیتوں کو نقصان پہونچانے والے جراثیم کو مارنے کی دوا بنائی جا رہی ہے تو کہیں کھیتی کرنے کے لئے بڑی بڑی مشینیں اور آلات ڈھالنے کے کارخانے بن رہے ہیں۔ بہت سی جگہ اس مقصد کے حصول کے لئے زمینداری کا پرانا سسٹم ختم کردیا گیا ہے۔ لیکن اگر آپ غور سے دیکھیں تو آج بھی دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ملے گا۔ جہاں قانون کی پشت پناہی میں بڑے بڑے قطعے اراضی کو نجی ملکیت کے نام پر رکھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ کاش دنیا تعصب اور تنگ نظری سے کام نہ لیتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتی تو آج غذائی بحران کا مسئلہ سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا، نہ کسی کے پاس اتنی زمین رہتی کہ وہ اس میں پوری طرح کاشت نہ کر سکے اور نہ سماج اور حکومت کا ڈھانچہ ہی کچھ ایسا رہتا کہ کسان کو فصل کے برباد ہوتے ہوئے بھی حکومت اور سماج کے تمام مطالبات لازمی طور پر ادا کرنے پڑتے۔

تفصیل کا یہ موقع نہیں تاہم اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ کھیتی باڑی کے جتنے بھی طریقے آج دنیا میں رائج ہیں اسلام کا زرعی نظام ان تمام پر فوقیت رکھتا ہے۔ کاشتکاروں اور کسانوں کی فلاح وبہبود اور ان کی خوشحالی کے لئے اسلام نے جو راستہ دکھایا ہے آج ترقی کے باوجود بھی دنیا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ خلافت راشدہ کی تاریخ ملاحظہ فرمایئے اگر کوئی کاشتکار کام کرنے سے معذور ہو جاتا۔ اس کی کھیتی کسی آفت کی وجہ سے برباد ہو جاتی یا وہ کسی معاشی بدحالی میں مبتلا ہو جاتا تو ان تمام صورتوں میں سرکاری خزانے سے اس کی امداد کی جاتی اور آلات زراعت اور تخم وغیرہ کے انتظام میں اس کو سہولت بہم پہونچائی جاتی، کوئی کاشتکار زراعت کے قابل نہ رہتا تو بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کردیا جاتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ جو اسلامی فقہ کے مرتب ہیں ایک موقع پر زراعت اور کاشتکاری کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اگر زمین کھیتی سے پہلے ہی غرق آب ہوگئی تو لگان معاف ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر کھیتی سے قبل کسی غاصب نے زبردستی قبضہ کرکے اسکو کاشت کرلیا تو کاشتکار کے ذمہ لگان واجب نہیں، کاشتکار نے اگر کھیتی کرلی اور بعد میں زراعت کسی آفت سے برباد ہوگئی تو اس صورت میں بھی پورا لگان واجب نہیں جس عرصہ تک کاشت موجود رہی اس مدت کا لگان واجب ہوگا اور تباہی کے وقت آخر سال تک معاف ہو جائیگا۔ اگر کاشتکار نے زمین کو لگان پر لیا پھر پانی نہ ملا اور بارش کا پانی بھی منقطع ہوگیا تو اس صورت میں لگان معاف ہے (فتویٰ قاضی خاں)

اسلام سے قبل کاشتکاروں اور کسانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ مالگزاری اور لگان کے وصول کرنے میں ان پر طرح طرح کی سختیاں کیجاتی تھیں یہی نہیں ان سے بیگار بھی لے جاتی اور مختلف قسم کے ٹیکس بھی وصول کئے جاتے تھے جس کو سب سے پہلے اسلام نے یہ بتایا کہ یہ حرکت سراسر ظلم و ناانصافی پر مبنی ہے۔ چنانچہ جب اسلامی اصول بروئے کار آئے تو دشمنوں اور خیبر کے یہودی کاشتکاروں کو بھی کہنا پڑا کہ "یہی وہ عدل وانصاف ہے جس کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو غلہ کی وصولی کے لئے خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجتے ہیں تو جانے کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نہ کوئی دھمکی دیتے ہیں نہ ان کی تلاشی لیتے ہیں بلکہ صاف صاف ان سے ان الفاظ میں خطاب کرتے ہیں "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تمہاری پیداوار کو ناحق ہضم کر جاؤں۔ مجھے صرف یہ حکم ہے کہ تمہارے ساتھ جو معاہدہ ہوا ہے اس کے مطابق تمہاری پیداوار تقسیم کروں۔ آج بھی حکومت ٹیکس اور لگان وصول کرتی ہے۔ ذرا تصور کیجئے مذکورہ الفاظ اس مفتوح قوم سے کہے جا رہے ہیں جنکی غداری اور بے ایمانی کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔

افسوس آج کھیت اور زمین کو نہ صرف ذاتی عزت واقتدار کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کی پیداوار اور جنس کو بھی ناجائز نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی کا سب سے بڑا ذریعہ بنا لیا گیا ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ آج لمبی لمبی تنخواہ وصول کرنے والے افسران اکثر درخت لگانے اور پیداوار بڑھانے کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں مگر شاید انھیں یہ معلوم نہیں کہ صرف پیداوار بڑھانا ہی مرض کا اصل علاج نہیں اصل علاج وہ ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں اشارہ کیا ہے کہ ہر آدمی اپنے بھائی کے لئے ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ رکھے۔ ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری تو دور کی بات ہے۔ یہاں یہ حکم ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین ہو وہ اپنے بھائی کو مفت دے دے، ایک دوسرے سے کچھ کما لینا ہی اصل کمال نہیں ہے۔ سوسائٹی کے ہر فرد پر اس کے حق اور حیثیت کے مطابق خرچ کرنا بھی ضروری ہے جس سے چشم پوشی اسلام میں قطعاً روا نہیں۔ خطبہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اسلامی اصول و نظریات کی بڑی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ امید ہے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس خطبہ

ہر قسم کی ضروری معلومات کیلئے پڑھئے!

چوتھی قسط

چند روز دیار غیر میں

یورپ کی کہانی ایک ندوی سیاح کی زبانی

مولانا عبداللہ عباس ندوی

مغرب ہو چکی تھی کہ لندن ...... کے وکٹوریہ اسٹیشن پر ہمکر گاڑی رکی یہاں میں مسلم نیوز انٹرنیشنل کے دفتر کو تار دے چکا تھا سامان لیکر پلیٹ فام پر اترگیا پلیٹ فارم کوئی زیادہ شاندار نہ تھا، اور ہندوستانی مرد و عورت اتنی تعداد میں آتے جاتے دکھائی دیئے کہ جیسے اپنی طرف کا کوئی اسٹیشن ہو، باہر ملک میں رہتے رہتے تمام ملک کے باشندوں کو ایک نظر میں آدمی اس طرح پہچان لیتا ہے جیسے مختلف شکلوں کے انسان یا حیوانات کی تمیز بآسانی ہوتی ہے۔ پلیٹ فارم پر اتنی دیر کھڑے رہے کہ اکثر مسافر نکل گئے اتنے میں ایک صاحب نے جو مایوس ہوکر واپس جارہے تھے۔ قریب آکر پوچھا۔ ندوی صاحب؟ علیک سلیک ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ مرزا نذیر بیگ ہیں۔ مسلم نیوز کے چیف ایڈیٹر۔ اصل وطن اجمیر تھا۔ پاکستان ہجرت کر گئے تھے اب ۸ سال سے لندن میں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ انھوں نے میرے ٹھہرنے کا انتظام خوشنوک ہوٹل میں کر دیا تھا۔ جو لندن یونیورسٹی سے بہت قریب ہے۔ عمارتوں، سڑکوں اور انسانوں کی چہل پہل دیکھ کر پہلی نظر میں لندن کے متعلق کوئی خاص تاثر نہیں ملا۔ بلکہ ایسا محسوس ہوا کہ قاہرہ یا بیروت کی کسی سڑک سے گزر رہے ہیں۔ صرف سائن بورڈ کا فرق ہے، وہاں عربی میں ہوتے تھے، یہاں انگریزی میں ورنہ وہی مرد و زن کا اختلاط، وہی لباس اور اسی طرح کی باتیں لیکن بعد میں کچھ دن گزرنے کے بعد بہت سے فرق نظر آئے۔

بیگ صاحب کی رہنمائی میں کباب واپس گئے جہاں جاکر ہندوستانی طرز کا کھانا سیر ہوکر کھایا۔ یہ کباب ہاؤس شہر کے بدنام ترین علاقہ میں واقع ہے جو "سوہو اسکوائر" کے نام سے مشہور ہے، سنا ہے کہ دو سال سے حکومت نے بعض پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ ورنہ اس علاقہ میں آسانی سے گزرنا مشکل تھا مگر حلال گوشت کا انتظام یہاں ہر جگہ سے زیادہ معقول پایا، اس کے علاوہ ایک ہوٹل یوسٹن کے علاقہ میں بھی ہے۔ وہاں [illegible] میں سائن بورڈ بھی لگا ہے "حلال ذبیحہ کا گوشت یہاں ملے گا"۔ حکومت کی طرف سے یہودیوں کو اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ کی اجازت بہت پہلے سے حاصل تھی مسلمان یہودیوں کے ہی ذبیحہ پر اکتفا کرتے تھے، مگر جب سے مسلمانوں کو اجازت مل گئی ہے اور اس کے ساتھ جب سے کچھ باہمت مسلمان بھی ایسے پہونچ گئے ہیں جنھوں نے اس رعایت سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے۔ اب وہاں حرام اور غیر شرعی ذبیحہ سے بچنے والے کے لئے کوئی عذر نہیں رہ گیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ فرانس میں بھی حکومت نے مسلمانوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر ذبیحہ کا انتظام کر سکتے ہیں۔ مگر ۸ لاکھ مسلمانوں کے باوجود کوئی اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ لندن میں جب سے مسلمان مزدور طبقہ پہنچا جن کو ہنس کی چال چلنے والے "کالے صاحب لوگوں نے" اراذلنا بادی الرائے[1] سمجھا ہے اسی طبقہ نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا، سچ ہے کہ ؎

باقی ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

برطانیہ میں ہندوستانی پاکستانی باشندے دو لاکھ سے کم نہیں ہیں۔ صرف لندن میں ۸۰۰۰۰ ہزار ہوں گے۔ کسی سڑک سے کہیں گذر جایئے۔ اپنے بھائی نظر آجائیں گے ان کی خواتین نے عام طور پر یورپ کے لباس نہیں اختیار کئے ہیں۔ یہ لوگ یہاں بہت خوش اور آسودہ ہیں۔ ان کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ کامن ویلتھ کے شہری ہونے کی وجہ سے ان کو برطانیہ میں تمام شہری حقوق حاصل ہیں۔ ان کے بچوں کے لئے مفت تعلیم۔ شیرخوار بچوں کے لئے حکومت کی طرف سے سپلائی کیا ہوا دودھ مفت، علاج اور دوا مفت، اور روزگار کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ اگر کوئی بیکار ہے تو محکمہ بہبودی عامہ[1] سے ان کو گزارہ ملتا رہے گا، چونکہ معیار زندگی ہند و پاک کی نسبت دس گنا ہے، اس لئے تنخواہیں اور گزارہ بھی اسی اندازے سے ملتا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر نیز یہ کہ طویل عہد غلامی نے عام طور سے لوگوں کو مغرب گزیدہ بنا ہی دیا تھا لندن ان لوگوں کا قبلہ و کعبہ ٹھہرا ان کے خوابوں کا شہر "لندن کی بستی" لہٰذا جس کو موقع ملا سر کے بل آیا اور جو آیا اس نے اپنے بھائیوں رشتہ داروں کو بلایا۔ دیکھتے دیکھتے ۸-۱۰ سال کے عرصہ میں اتنی بڑی تعداد ہوگئی۔ یہ آئے تو ان کے ساتھ ان کی عادات و خصائل، بیماریاں اور ان کی مخصوص تہذیب آئی۔ حکام کے کان کھڑے ہوئے کہ کہیں یہ سیلاب بلا [illegible] چھا گئی تو ایک نئی تہذیب وجود میں آنے لگے گی جس میں سفید فام قوم کا امتیاز ختم ہونے لگے گا۔ چنانچہ گزشتہ سال قانون ہجرت جدید[2] پاس ہوگیا جس کی بنیاد پر اب نئے عازمین دیار مغرب پر سخت پابندیاں عائد ہو گئیں۔ بہرحال لندن بین الاقوامی مرکز ہونے کی وجہ سے دنیا کے ہر خطے کے لوگ معقول تعداد میں موجود ہیں۔ ہزاروں عرب بھی ہیں، افریقی بھی، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کافی تعداد میں ہر ملک کے رہتے ہیں۔ اس لئے یہاں ہر ملک کی تہذیب کی نمائندگی کا سامان موجود ہے۔ لندن سے اردو کا ایک پرچہ ایشیا، دوسرا برمنگھم سے مشرق نکلتا ہے جس کی تعداد اشاعت ۲۰، ۲۵ ہزار ہے یہ دونوں پاکستانی انداز کے پرچے ہیں۔ ان کے نکالنے والوں کو اردو دانوں سے یہ شکایت ہے کہ ہر شخص اپنے پڑھنے کے لئے علیحدہ پرچہ نہیں خریدتا، بلکہ دوسروں سے مانگ کر پڑھنے کی ہندوستانی عادت ابھی تک نہیں گئی ہے جو پرچے میری نظر سے گزرے ان میں اسی طرح کی اپیلیں تھیں کہ "مہذب اقوام میں جب آپ زندگی گزارتے ہیں تو ان کے طور طریقے بھی سیکھیے کوئی انگریز کسی سے مانگ کر پرچہ نہیں پڑھتا۔ آپ بھی اپنے پڑھنے کے لئے اپنا پرچہ خود خریدئے"

میں شب جمعہ کو لندن پہونچا تھا۔ بیگ صاحب سے وعدہ تھا کہ وہ جمعہ کی نماز کے لئے مجھے لینے آجائیں گے مگر وہ نہ آسکے اور اپنے بجائے انھوں نے ایک نومسلم انگریز نوجوان مصطفیٰ بلال[3] کو بھیجا۔ البعث میں میرا وہ خط شائع ہو چکا ہے جس میں میں نے مصطفیٰ کے متعلق کسی قدر تفصیل سے معلومات لکھی تھیں۔ لہٰذا یہاں سے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ البعث میں جب وہ خط شائع ہوا اور لندن ہی میں مجھے وہ پرچہ مل گیا تو میں نے اسکو دکھایا وہ بے چارہ اردو کی حروف تہجی سے بھی واقف

(باقی ص ۱۰ پر)

[1] WELFARE DEPRTMENT - نیچ کے لوگ سطحی رائے رکھنے والے، یہ وہ طعنہ ہے کہ کفار قریش مسلمانوں کی غربت و بے چارگی کو دیکھ کر دیا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا ہے۔

[2] NEW EMIGRATION LAW

[3] اس کا خاندانی نام ایوانس ہے۔ اس لئے اپنا نام بلال ایوانس لکھتے تھے۔ مگر بعد میں اپنی نسبت حضرت بلالؓ سے قائم کی اور اپنے کو مصطفیٰ بلال لکھنے لگے۔ کہتے تھے کہ حضرت بلالؓ نے ایمان کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی اور حضور اکرم کو بہت عزیز تھے اس لئے میں نے ان سے اپنی نسبت قائم کی ہے۔

(باقی)

نماز اور اس کا مقام

زبیر احمد شمسی رام پوری

ایمان بالغیب کے بعد قرآن کریم کا سب سے پہلا حکم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سب سے پہلی تعلیم اقامت صلوٰۃ ہے یعنی نماز کو قائم کرو

اس وقت اس سے بحث نہیں کہ اقسام صلوٰۃ کیا ہیں اور کیوں ہیں؟ بلکہ پیش نظر نماز کی صرف وہ خصوصیت ہے جسکو قرآن نے بیان کیا ہے اور جو آج نمازیوں میں پائی نہیں جاتی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھنا اور جاننا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے اقامت صلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرو اس کا حکم دیا ہے یہ نہیں کہا ہے کہ نماز پڑھو یا نماز ادا کرو سوال یہ ہے کہ قیام نماز سے کیا مراد ہے اور نماز کے قائم کرنے کا کیا مقصد ہے؟

عربی زبان میں اقامت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کو تمام و کمال شرائط و حدود کے ساتھ انجام دیا جائے یعنی اس کے جو تقاضے ہوں اور جو اس کی شرائط ہوں ان کو پورا کیا جائے۔ اس کے علاوہ روایات میں جو کچھ قیام نماز کا مطلب بتایا گیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں جس کو انھوں نے حضرت ضحاک سے روایت کیا ہے کہ نماز قائم کرنے کے معنی رکوع و سجود اور تلاوت و خشوع کے حق سے نہایت مکمل طور پر سبکدوش ہونے اور نماز کی غرض و غایت کی جانب اچھی طرح توجہ کرنے کے ہیں۔

یعنی ایک مسلمان کے لئے صرف نماز پڑھنا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ نماز کے اغراض کو پورا کرنا اور اس کو اپنی زندگی میں داخل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ تکمیل نماز ہو سکے کیونکہ قرآن کہیں بھی رسمی و رواجی نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ وہ تکمیل حدود چاہتا ہے کہ اس کے بغیر تکمیل نماز نہیں ہوتی ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ نماز کے ذریعے تم خدا سے مدد چاہو۔ وہ واضح اور نمایاں طور پر اس کا اعلان کرتا ہے کہ

استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو)

یعنی ہمت اور استقلال کو برقرار رکھتے ہوئے نماز کے ذریعہ مشکلات میں خدا سے مدد مانگا کرو۔ ان دو چیزوں سے تم کو مدد اور اعانت ملے گی اور تمہاری مشکلات و مسائل حل ہوں گے۔

لہٰذا تمام امور اور مہمات میں تم کو ان ہی دو چیزیں یعنی صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرنا چاہیئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جانب رجوع فرماتے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ استقلال اور نماز یہ دونوں نزول رحمت الٰہی میں اعانت کیا کرتے ہیں۔

صبر کیا ہے: یوں تو یہ لفظ بارہا استعمال ہوتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرتے وقت بھی اس تاکیدی حکم پر نظر پڑتی ہے۔ لیکن اس پر غور کرنے اور صبر کی حقیقت پر سوچنے کا شاید ہی کبھی موقع ملا ہو کہ یہ سوچا جائے کہ صبر کیا ہے؟ اور قرآن کی اس تاکیدی حکم سے کیا مراد ہے۔

دراصل صبر کے معنی یہ نہیں کہ ایک چیز انسان کے پاس تھی وہ جاتی رہی یا کسی شے کی تمنا ہے لیکن کسی بنا پر وہ حاصل نہ ہو سکی اور انسان خاموش ہو گیا کہ میسر نہ ہو سکی تو نہ سہی اور اس کو صبر سے تعبیر کر لیا جیسا کہ عام طور پر ذہنوں میں یہ مفہوم سما چکا ہے اور اس معنی میں بکثرت یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے بلکہ صبر کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ انسان کسی شے پر قادر ہے اور اس کو استعمال کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ سارے اسباب و مواقع فراہم ہیں لیکن اس نے حکم کے احترام کی بنا پر اپنے کو اس سے روکا ہے یا کسی چیز کے کھو جانے پر غم و اندوہ کے بجائے اس کے حاصل کرنے میں پوری سعی و محنت کو جاری رکھنا اور اس سلسلہ میں جس قدر مصائب و مشکلات درپیش آئیں ان کو برداشت کرنا حتی کہ مافات کا نعم البدل مل جائے۔

اسی طرح نماز کا مقصود صرف ایک رسم کا پورا کر دینا نہیں بلکہ خدائے قدوس سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانے اور اس سے اپنے رشتے کو قائم کرنے۔ موثرات دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے اندر ان صفات قدسیہ کو پیدا کرنا ہے۔ جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں

پس یہی دو چیزیں انسان کی زندگی کو کامیاب بنا سکتی ہیں اور اسلام کی نظر میں کامیابی کی یہی راہ ہے۔

نماز کی غرض کیا ہے: اس سلسلہ میں قرآن کریم نے خود تشریح کی ہے۔ مقام نماز کی غرض اور انسانی زندگی پر اس کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ سورہ عنکبوت کے پانچویں رکوع کی پہلی آیت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون

(اے نبی کتاب الٰہی میں سے پڑھو جو تم پر وحی کی گئی ہے اور نماز کو حقیقی طور پر ادا کرو۔ بلاشبہ نماز تمام برائیوں اور بداخلاقیوں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑھ کر اعلیٰ ہے اور اللہ تمہاری کاریگری کو خوب جانتا ہے)

اس آیت میں وضاحت کیساتھ نماز کا نتیجہ بتایا گیا ہے کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے

فحشاء و منکر کیا ہے؟ یعنی بےحیائی اور برائی سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ فحشاء وہ ہیں جو قبیح کام ہوں جیسے حرام کاری وغیرہ اور منکر وہ ہے جس کی اسلام کے قانون نے اجازت نہ دی ہو اور اس سے منع کیا ہو خلاصہ آیت یہ ہے کہ نماز انسان کو معصیت الٰہی سے روکتی اور گناہوں سے دور رکھتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کونسی نماز ہے جو انسان کو ہر دو مذکورہ امور سے باز رکھنے کا سبب ہوا کرتی ہے اور انسان برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں حضرت ابوالعالیہؒ کا ایک قول نقل کیا ہے جو بہت اعلیٰ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین خصلتیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی خصلت کسی نماز میں نہ ہو تو وہ حقیقی نماز نہیں اور وہ فضائل ثلاثہ یہ ہیں (۱) خلوص (۲) خوف خدا (۳) یاد الٰہی اور ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ اثرات و نتائج ہیں خلوص کا اثر یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو نیک کام کا حکم دیتا ہے اور خوف خدا اسے برائی و بدی سے روکتا ہے اور یاد الٰہی یعنی قرآن امر و نہی دونوں کی صورت ظاہر ہوتا ہے اور جو نماز انسان کو ان کاموں سے نہ روکے وہ کس حکم میں داخل ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ نے اس بارے میں بہت محققانہ بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

اصول شریعت کی رو سے جو نماز صحیح کہی جاسکتی ہے وہ ان دونوں امور یعنی فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ یہی وہ نماز ہے جو ایک عاقل و بالغ مسلمان خدا کے لئے ادا کرے اور اس بارے میں یہاں تک تجدید کر دی گئی ہے کہ ادائے نماز سے اگر کسی کا مقصد نمائش و نمود یا اور کوئی غرض ہے تو وہ نماز شرعاً درست نہ ہوگی اور عنداللہ مقبول نہیں اور اس نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ دوسرے مفسرین و ائمہ نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے جس کے بیان کا یہ محل نہیں۔ طوالت کے ڈر سے اس کو یہاں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ مقصود صرف یہ سوچنا اور سمجھنا ہے کہ نماز کیا ہے؟ اور دین میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ انسانی زندگی میں کامیابی و فلاح کس طرح آسکتی ہے؟

(باقی)

چو مرگ آمد تبسم برلب اوست

تسخیر الحسن ندوی

(۱)

ایک تو ضعیف و بیماری کی شدت، اس پر گرمیوں کا موسم۔ مزید یہ کہ مسلسل روزے، ان تمام چیزوں نے ابراہیم بن ہانی کو بستر مرگ پر لٹا دیا اور وہ اضطراب اور بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلنے لگے۔ جب یہ کیفیت حد سے تجاوز کر گئی تو بے اختیار اپنے بیٹے کو آواز دے کر پانی طلب کیا، فرمانبردار بیٹا فوراً پانی لیکر حاضر ہوا، اس کے بعد سوال ہوا کہ "کیا سورج غروب ہوگیا؟ جواب ملا نہیں، فرمایا اچھا تو یہ پانی واپس لے جاؤ لیکن بیٹے نے ازراہ شفقت پانی پینے پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کا نفلی روزہ ہے، اور آپ جیسے مریضوں کے لئے تو رمضان کے روزہ میں بھی افطار کی اجازت ہے، فرمایا بھئی تو میں آج کا روزہ اپنے پروردگار ہی کے پاس افطار کروں گا، اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی "ومثل ھذا فلیعمل العاملون" چاہئے تو یہ کہ لوگ اس طرح کے اعمال کریں" اور اس کے چند ہی منٹ کے بعد ان کی روح ان کے جسد خاکی سے جدا ہو گئی:

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۲۶)

(۲)

ابو شجاع عضد الدولۃ پر جب نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ لیکن چند ہی لمحوں کے بعد اس کی زبان سے اس آیت کے علاوہ اور کچھ نہ نکلتا تھا۔ ما اغنی عنی مالیہ ھلک عنی سلطانیہ "میرے مال نے مجھے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا، مجھ سے میری سلطنت چلی گئی" اسی آیت کو پڑھتے پڑھتے اس کی روح قبض ہو گئی۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۲۱)

(۳)

ابوبکر شبلیؒ نے وضو کے لئے خادم سے پانی منگوایا لیکن شدت ضعف کی وجہ سے خود وضو نہ کر سکے، اس لئے خادم نے وضو کرا دیا۔ لیکن وہ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا، ضعف کی وجہ سے منہ سے آواز بھی نہ نکلتی تھی، اس لئے اس کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کے پاس لے گئے اور خلال کیا، پھر نماز پڑھی۔ اسی طرح وہ وفات کے وقت تک برابر آداب شریعت کا لحاظ کرتے رہے اور اس پر سختی سے عمل پیرا رہے،

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۵۹)

۴

ابراہیم بن ادہم کفار سے جنگ کرنے میں مصروف تھے کہ پیغام اجل آگیا اور مرض نے انھیں بستر مرگ تک پہنچا دیا اسہال و درد شکم کی شکایت شدت سے ہو گئی۔ ایک ہی شب میں ۲۵ مرتبہ قضاء حاجت کے لئے جانا پڑا جب بھی فارغ ہوتے تو وضو کرتے اس طرح ایک شب میں انھوں نے ۲۵ مرتبہ وضو کیا، یہ سلسلہ یونہی جاری تھا کہ ایک بار جب وہ وضو سے فارغ ہوئے تو انھوں نے تیر و کمان منگوایا اور خود لیٹ گئے لیٹنے کے بعد اس کو ہاتھ میں لیا اور اسی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، یہاں تک کہ فرستادۂ اجل نے اپنا کام پورا کر دیا

(فوات الوفیات ج ۱ ص ۳)

(۵)

۲ ربیع الاول بروز چہار شنبہ کو امام احمد بن حنبلؒ نے درس حدیث نہیں دیا کیونکہ اسی دن ان کی طبیعت ناساز تھی، طبیعت کی ناسازی کی اطلاع ہر خاص و عام کو ہو گئی اس لئے زائرین کا ایک نہ منقطع ہونے والا سلسلہ قائم ہو گیا ہے، ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی فکر میں لگا ہوا ہے مرض بھی روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، اسی کے ساتھ ہی ساتھ ان کی بیماری کی اطلاع ہر طرف پھیل رہی ہے، غالباً سلطان وقت کو بھی ان کی بیماری کی اطلاع ہو گئی ہے، اسی لئے ایک قاصد دروازہ پر کھڑا ہوا ہے، اندر جا کر اس نے کہا کہ "بادشاہ سلامت آپ کی عیادت کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں؟" بوقت تمام امام وقت نے فرمایا کہ۔ "بادشاہ کو میرے مرض کی کیفیت سے تم آگاہ کر دینا اور کہہ دینا کہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ میری عیادت کے لئے آئیں اور میرا خیال یہ ہے کہ جو بات میں ناپسند کرتا ہوں اسے بادشاہ نہیں کریں گے۔"

امام موصوف مرض میں ۹ یوم مبتلا رہے۔ آٹھویں دن ایک خوش صورت شخص عیادت کے لئے آئے۔ انھوں نے آتے ہی کہا خدا اس وقت کا خیال کیجئے جب آپ احکم الحاکمین کے روبرو کھڑے ہوں گے اور آپ سے آپ کے اعمال کا محاسبہ ہو رہا ہوگا۔" اتنا سننا تھا کہ ایک چیخ ان کے منہ سے نکل گئی اور وہ بیہوش ہو گئے، ہوش آیا تو زار و قطار رونا شروع کر دیا اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، جب کچھ سکون ہوا اور رونے میں کمی ہوئی تو گھر کے بچوں کو بلا کر گلے سے لگایا، ان پر شفقت فرمائی اور ان کو رخصت کر دیا، اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور وظائف میں مشغول ہو گئے۔ نویں دن ضعف و بیماری دونوں میں اضافہ ہو گیا اور اسی دن دوپہر کے بعد ان کے ہلتے ہوئے ہونٹ رک گئے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳، ۲۴)

(۶)

یحییٰ الجلاءؒ کی نعش مبارک غسل کے لئے حمام لے جائی گئی، لیکن وہاں جیسے ہی چہرہ پر سے پردہ ہٹایا گیا، دیکھنے والے خود بخود پیچھے ہٹنے لگے، کیونکہ وہ ہنس رہے تھے، اسی لئے بعض لوگ ڈر و خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے اور دیگر لوگوں نے غسل کرانے سے اس لئے ہاتھ روک لیا کہ ان کو ان کی موت کا یقین ہی نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ تو ایک زندہ ہنستے ہوئے آدمی کو دیکھ رہے تھے، کچھ لوگ اطباء کے پاس بھیجے گئے اطباء نے معائنہ کیا تو ان کو مردہ ہی قرار دیا۔ اب لوگ بڑھے اور غسل دیا، تجہیز و تکفین کیا، لیکن وہ تبسم ان کے چہرے پر آخری وقت تک عیاں رہا۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

(۷)

حضرت امام شافعیؒ جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو وصیت کیا کہ جب میں مر جاؤں تو فلاں شخص مجھے غسل دے انتقال کے وقت وہ شخص مصر گیا ہوا تھا، واپس آنے پر لوگوں نے اس کو امام موصوف کی اس وصیت سے باخبر کیا، اس نے اسی وقت امام شافعیؒ کی ڈائری طلب کی۔ اور اسے بغور دیکھنا شروع کیا۔ ایک صفحہ پر کچھ دیر کے لئے اس کی نگاہیں جم گئیں اور پھر اس نے ڈائری بند کر کے امام مرحوم کا تمام قرضہ ادا کر دیا جس کی مقدار کئی ہزار تھی۔

امام شافعیؒ کے انتقال کے بعد کسی نے انھیں خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، فرمایا کہ عزت و اکرام کا۔ اس طرح کہ اس نے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور پھر میرے اوپر ہیرے و جواہرات کی بارش کی۔

(تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۲)

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا۔

طلبہ کا صفحہ

امیر المومنین جنّت الفردوس میں

عبد العلیم بستوی متعلم ندوۃ العلماء

تاریک رات کے سائے ڈھلتے جا رہے تھے صبح قریب تھی، فضا پر سکون طاری تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکے سونے والوں کو چھوتے ہوئے آتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر کھڑے ہوتے۔ ادب سے سر جھکاتے اور گذر جاتے۔ دین و دنیا سے بے نیاز بے خبر سونے والوں کی نیند اور خوشگوار ہو جاتی لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں باد سحر کے ان جھونکوں سے کچھ اجنبیت محسوس ہو رہی تھی، ایک عجیب قسم کی گرمی محسوس ہو رہی تھی، یہ صبح ہی کچھ اور طرح کی لگ رہی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے رات ٹلنا ہی نہیں چاہتی، جیسے ہمیشہ کے لئے دنیا پر مسلط ہو جائے گی۔

"میرے بندو! اٹھو میں تم سے قریب آگیا ہوں جو مانگنا ہو مانگ لو" مومنین نے رب رحیم کی آواز محسوس کی۔ لیکن آج یہ آواز بھی کچھ مدھم سی تھی۔ وہ اسے روزانہ اپنے دل کے کانوں سے صاف صاف سنا کرتے تھے۔ عجیب بات ہے، آج کی صبح عجیب ہے۔

"جیسے کوئی بات ہونے والی ہے" کسی نے آپ سے سرگوشی کی

"اللہ اکبر اللہ اکبر" موذن کی آواز آئی اور یہ خدا کے بندے اپنے بستروں کے اٹھ گئے اور مسجد نبوی پہنچنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد اقامت کی آواز آئی اور سب اپنے آقا کے سامنے صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ امیر المومنینؓ امامت کے لئے آگے بڑھے۔ اپنی عادت شریفہ کے مطابق صفیں درست کرتے ہوئے محراب میں آئے۔ اللہ اکبر کی بارعب اور پرشکوہ آواز فضا میں گونجی اور خدا کے یہ پر اسرار بندے اپنے آقا سے سرگوشی و مناجات میں مشغول ہو گئے۔ محراب میں ایک سایہ لہرایا۔ لیکن شاید کسی نے توجہ نہ کی۔

"شاید مجھے کتے نے کاٹ لیا" امیر المومنین کی آواز نے لوگوں کو چونکا دیا۔ اور ایک شخص صفوں کے درمیان سے بھاگنے لگا، اس کے ہاتھ میں ایک دو دھاری تلوار تھی، وہ جدھر سے بھی گذرتا، دائیں بائیں جو بھی ملتا سب کو گرا دیتا، یہاں تک کہ اس نے تیرہ آدمیوں کو اپنی زہر آلود شمشیر سے زخمی کر دیا۔ جن میں سات جان بحق تسلیم ہو گئے اتنے میں ایک بندۂ خدا نے اس پر چادر پھینک دی اور جب اس نے راہ فرار نہ دیکھی تو وہیں خودکشی کر لی۔ دنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خدا پرستی کا ایک نظارہ دیکھا۔ امیر المومنین نے گرتے گرتے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا۔ آپ نے نہایت ہی درد و الم کے ساتھ مختصر نماز پڑھائی اور امیر المومنین زخموں سے چور، خون میں لت پت آپ کے سامنے تڑپ رہے تھے۔

جو امیر المومنینؓ سے قریب تھا اس نے یہ ہولناک منظر دیکھا۔ لیکن جو وہاں سے دور تھے انھیں کچھ علم نہ تھا سوائے اس کے کہ انھیں وہ پرسوز رسیلی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ان کی نگاہیں پھٹی ہوئی تھیں، وہ تعجب سے سبحان اللہ سبحان کہہ رہے تھے "ابن عباسؓ! دیکھو مجھے کس نے قتل کیا؟" نماز ختم ہوتے ہی امیر المومنینؓ کی آواز ابھرائی۔

بعثت نبویؐ کے قبل و بعد

عبد المنان قمر متعلم ندوۃ العلماء

سارے عالم میں پھیلی تھیں تاریکیاں
چار سو ہو رہی تھیں غلط کاریاں
کوئی اللہ کا نام لیوا نہ تھا
کفر و ظلمت میں ڈوبا تھا سارا جہاں

لوگ کرتے تھے چھوٹوں پہ ظلم و ستم
زندگی بن گئی تھی سراپا الم
زندہ رہنا ضعیفوں کا دشوار تھا
کرنے والا نہ تھا کوئی ان پر کرم

بت پرستی کا شیوہ بہت عام تھا
"لات" "و عزیٰ" کا اس دور میں نام تھا
لوگ جھکتے تھے اصنام کے سامنے
تذکرہ بت پرستی کا ہر گام تھا

وحشیوں کی طرح روز لڑتے تھے سب
باپ بیٹے برادر جھگڑتے تھے سب
چھوٹی چھوٹی سی باتوں پہ اس دور میں
بڑھ کے شمشیر و ترکش پکڑتے تھے سب

آئے جس وقت سرکار دنیا و دیں
روشنی ہو گئی از فلک تا زمیں
لوگ ہونے لگے آشنا دین سے
عظمت دیں ہوئی قلب میں جاگزیں

چار سو رحمتوں کی گھٹا چھا گئی
دین و ایمان میں تازگی آگئی
دیکھ کر دین برحق کی تابانیاں
ساری انسانیت جوش میں آگئی

مٹ گئے ظلم، و جور و جفا کے نشاں
ہو گیا سارے عالم میں امن و اماں
ظلمتیں چھٹ گئیں روشنی ہو گئی
آئے جس وقت اے غم زدہ جہاں

مشاہدہ

رئیس شاکری بارہ بنکوی متعلم ندوۃ العلماء

پژمردہ رخ سرو سمن دیکھ رہا ہوں
بگڑی ہوئی تقدیر چمن دیکھ رہا ہوں
اک معجزۂ چرخ کہن دیکھ رہا ہوں
لٹتی ہوئی توقیر چمن دیکھ رہا ہوں
صیاد کی نظروں کا کرشمہ نہ ہو یارب
آلام کی گلشن میں چبھن دیکھ رہا ہوں
صد حیف اے پھولو! تمھیں احساس نہیں ہے
پھر نذر خزاں حسن چمن دیکھ رہا ہوں
کچھ ٹوٹے ہوئے جام ہیں اور تشنہ لبی ہے
میخانے میں ساقی کا چلن دیکھ رہا ہوں
ہر ایک خوشی ان کے لئے عیش بھی ان کا
میں اپنے لئے دار و رسن دیکھ رہا ہوں
ہے سوز دروں، عزم فراواں کی ضرورت
پھر وقت کے ماتھے پہ شکن دیکھ رہا ہوں
ممکن ہے بدل جائے روش دیر و حرم کی
امید کی ہلکی سی کرن دیکھ رہا ہوں
جیسے اے رئیس اب کبھی منزل نہ ملے گی
ہر گام پہ یوں رنج و محن دیکھ رہا ہوں
اک طرز بصیرت دیا ہر گام پہ جس نے
میں حضرت شاکر[1] کا وطن دیکھ رہا ہوں

[1] حضرت الاستاذ شاکر ناطق کاپنوری مرحوم و مغفور

"بیغرہ کا غلام"

"ارے وہی آہن گر نقاش"

"جی ہاں وہی"

"اس کا بُرا ہو۔ میں نے تو اسے بھلائی ہی کا حکم دیا تھا۔ امیرالمومنین نے دردناک لہجے میں فرمایا۔

"نہایت ہی قابلِ تعریف ہے وہ ذات جس نے مجھ کو کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں شہید کیا۔ تم اور تمہارے والد چاہتے تھے کہ مدینے میں یہ عجمی غلام زیادہ ہو جائیں۔"

"اگر آپ چاہیں تو ہم انکا خاتمہ کر دیں" - ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

تم نے غلط کہا۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہاری زبان بولنے لگے۔ تمہارے قبلے کو اختیار کر لیا۔ اور تمہاری طرح حج بھی کرنے لگے۔"

(۳)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اپنے مکان پر پہنچائے گئے۔ کچی مٹی کی نیچی دیواریں۔ کھجور کے پتوں کا چھپر، کمروں میں ٹاٹ بچھے ہوئے ہیں چارپائی اور بستر غائب۔ دروازہ پر پردہ تک نہیں۔ یہی اس فاتح زمانہ کا "دولت کدہ" تھا جس نے قیصرو کسریٰ کی سلطنت کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ یہی اس خلیفہ وقت کا "کنگ ملیس" تھا جس کے قبضے میں عرب و عجم اور ایران و روما کی سلطنتیں تھیں۔

اس وقت تک لوگ امیرالمومنین کے گھر پر جمع ہو چکے تھے۔ امیرالمومنین تنہا نہیں زخمی ہوئے تھے۔ سارا مدینہ زخمی ہو گیا تھا۔ اسلام کے اس مایہ ناز فرزند پر تنہا نہیں ضرب آئی تھی۔ پوری خلافت اسلامیہ زخموں سے چور چور ہی تھی۔ غم و الم میں ڈوبے ہوئے۔ یاس و حسرت سے کفِ افسوس ملتے ہوئے سارے مدینہ والے آپ کے گھر جمع ہوتے جا رہے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ لرزاں و خیزاں تھا۔ جیسے ان کے سروں پر غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، زبانیں خاموش تھیں۔ اعضاء ساکت و صامت تھے، چاروں طرف بدحواسی چھائی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں مجمع سے ایک آواز آتی ہے

"کوئی بات نہیں"

"مجھے تو خطرہ ہے" دوسری آواز نے بھی لوگوں کو مبہوت کر دیا۔

"امیرالمومنین نبیذ حاضر ہے" ایک شخص نے پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

امیرالمومنین نے اسے پی تو لیا لیکن زخموں کی راہ سے نکل گیا۔ پھر دودھ لایا گیا۔ اسے پیا تو وہ بھی پیٹ میں نہ رہ سکا۔ اب لوگوں نے سمجھ لیا کہ آپ کا بچنا مشکل ہے۔ زمین و آسمان محو حیرت تھے۔ لوگوں کی بدحواسی کا عجیب عالم تھا، ان کی زبانوں سے بے ساختہ مدح کے الفاظ نکل رہے تھے۔ اتنے میں ایک نوجوان آنکلا اور امیرالمومنین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"امیرالمومنین خدا کی خوشخبری مبارک ہو۔ صحبت رسول کی بیش بہا دولت، پھر اسلام کے اندر مقام اعلیٰ مزید برآں خلافت اور عدل کی دولت سے سرفرازی، اور پھر سب سے بڑھ کر شہادت ــــــ مسلمان کی آخری امید ــــــ! مومن کی آخری تمنا ــــــ!

"میرے لئے تو یہی بہتر ہے کہ مجھے بدلے اور نہ میری گرفت ہو" امیرالمومنین نے جواب دیا۔

اتنا کہنے کے بعد وہ نوجوان واپسی کے لئے مڑا تو آپ کی نظر اس کے ازار پر پڑ گئی جو زمین سے لگ رہا تھا۔ امیرالمومنین نے کہا۔

"اس کو بلاؤ!"

"بھتیجے کپڑا اوپر کرو، اس سے تمہارے کپڑے صاف رہیں گے اور تمہارا رب خوش رہے گا" (اس کے آنے کے بعد نصیحت آمیز لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے) امیرالمومنین نے کہا۔ اور وہ نوجوان نگاہیں جھکائے واپس چلا گیا۔

"میرے اوپر کچھ قرض بھی تو ہے" امیرالمومنین نے اپنے تئیں سوال کیا۔ "اگر میں اسے ادا نہ کر سکا اور میری موت واقع ہو گئی تو! خدایا میرا کیا حشر ہو گا۔ میں کیسے تجھ سے ملوں گا۔ تھوڑی دیر تک امیرالمومنین انھیں خیالات میں مشغول رہے، اور بے ساختہ آپ کے زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

"عبداللہ ابن عمرؓ! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟"

"چھیاسی ہزار روپے" حساب لگانے کے بعد عبداللہؓ ابن عمرؓ نے جواب دیا۔

"اچھا اگر آلِ عمر ... کے مال سے پورا ہو جائے تو تو اسے ادا کر دینا۔ اگر ناکافی ہو تو بنی عدی ابن کعب سے سوال کرنا۔ اگر اس سے بھی نہ پورا ہو تو تمام قریش سے سوال کرو۔ کسی اور سے نہ سوال کرنا۔"

"جاؤ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ ان سے کہو عمرؓ آپ کو سلام کہہ رہا ہے۔ امیرالمومنین نہ کہنا اس لئے کہ آج سے میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں۔ ان سے کہنا کہ عمرؓ اجازت چاہتا ہے کہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کیا جائے"

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم — باب عنایات خداے کریم

خوش خبری

دنیائے برّ اعظم ہند و پاکستان کے دینی و ادبی ذوق رکھنے والے مسلمان بھائیوں کو یہ جان کر انتہائی مسرت ہوگی کہ

اردو

ماہنامہ حسامی

جو بعض وجوہ کی بناء پر شائع نہیں ہو رہا تھا اپنے معتقدوں کے مسلسل اصرار ... ماہ نومبر ۱۹۶۲ء سے دوبارہ حیدرآباد کے مشہور عالم و واعظ مولانا محمد حمید الدین حسامی ... کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔

... تاجر حضرات ... اشتہارات ...

فی پرچہ N.P. 60 — چندہ سالانہ RS. 6.00

پتہ: ... — خط و کتابت: ... — منیجر ادارہ حسامی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوۃ العلماء — ذرائع تعاون — لکھنؤ

- سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات و لٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور انکی اشاعت
- مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے۔ مثلاً:

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے۔ لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلاقیمت فراہم کی جائیں گی۔

(ب) ہمدرد۔ جو حضرات دو سو روپے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے مجلس ہمدرد کو پانچسال تک اپنی مطبوعات بلاقیمت پیش کریگی۔

(ج) معاون۔ جو حضرات پچیس روپے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلاقیمت اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی۔

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی و تقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے۔

- آج ہی رکنیت کا فارم پُر کر کے اپنی علم دوستی
- اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے ــــــ